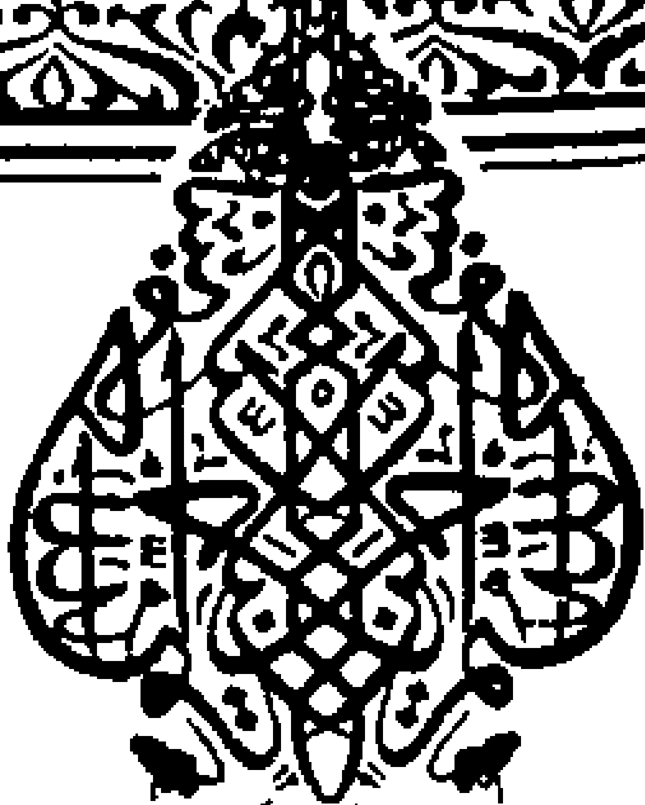


قال اللہ تعالےٰ

فِیْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ

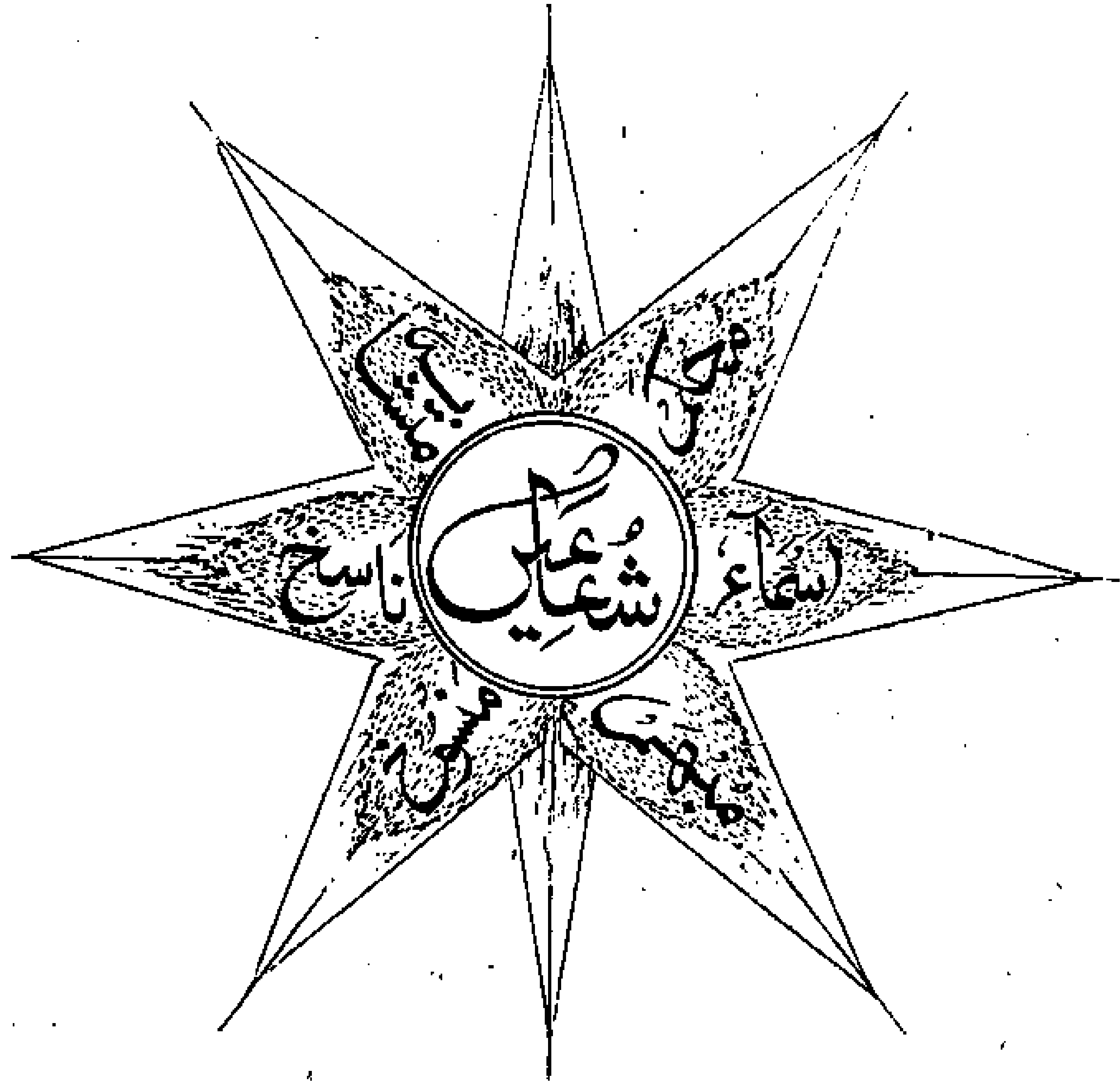
(اس میں ہدایت و روشنی ہے۔)

قرآنی علوم

از قلم

عبدالواجد قادری

شعائر



کتاب : ———— قرآنی علوم
مصنف : ———— مولانا مفتی عبدالواجد صاحب قادری زید مجدہ
(نائب امینِ شریعت بہار۔)

صفحات : ———— ۲۲۴
اشاعت : بار اول ۱۴۱۵ھ،
تعداد : ———— گیارہ سو
ناشر : ———— شبیر برادرز۔ لاہور

کتابت : ———— محمد شمس الدین فیضی، ہزاریباغوی
قیمت : ———— [redacted] روپے

دیباچہ

مُبَسْمِلاً وَّحَامِدًا وَّمُصَلِّيًا وَّمُسَلِّمًا

کلامِ الٰہی:

وہ ابدی ولافانی کلام ہے جس کی حفاظت کا ذمہ خود پروردگار عالم جَلَّ جَلَالُہٗ نے اپنے ذمۂ کرم پر لے رکھا ہے۔ لہٰذا اس کے الفاظ وجمل اور معانی وحقائق میں کبھی بھی ردّ و بدل اور کتر بیونت ممکن نہیں۔ بنا بریں بانگ دہل بے خوف تردید یہ دعویٰ مبنی برحقیقت ہے کہ قرآن عظیم اسی ابتدائی حقائق کے ساتھ آج بھی موجود ہے، اور آئندہ موجود رہے گا جیسا کہ مَہبطِ وحی معلّمِ کتاب وحکمت عَلَیْہِ الصّلوٰۃ والتحیت پر نازل ہوا تھا۔

ابتدائِ نزول سے اب تک اس کے مترجمین ومفسّرین ترجمے اور تفسیریں لکھتے آرہے ہیں جس سے اسلامی کتب خانوں کا سر فخر سے بلند ہے۔ لیکن اس کے عجائب وغرائب اور اسرار ونکات کی انتہا نہیں ہوئی اور نہ ہوگی۔ کیوں کہ یہ اُس صاحبِ قدرت مالکِ حقیقی مسجودِ تحقیقی کا کلام بلاغت نظام ہے جس کی ثنا وصفت کی کوئی انتہا نہیں۔

قرآن مجید کے تعلق سے اس کے علوم ومعارف کو عام کرنے کے لیے جن مختلف علوم وفنون کے ماہرین نے سعیٔ مشکور فرمائی اُن علمائے راسخین اَدَامَ اللّٰہ تعالےٰ فیوضہم کا خاص حصّہ رہا۔ جنھوں نے آیاتِ قرآنیہ کی تحقیق وجستجو میں اپنی عمریں وقف کردیں۔ اور علوم وفنون قرآنیہ کے وہ دریا بہا دیئے جس کے لعل وگہر کی تابناکیوں نے طالبانِ حق کی ایمانی دنیا کو جگمگا دیا اور ایک گنجینۂ بے بہا امت مسلمہ کے ہاتھ آگیا۔ فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ خَيْرَ الْجَزَاءِ۔

قرآن حکیم نہ تو کتابی شکل میں اور نہ ہی تختی کی صورت میں یکبارگی نازل ہوگیا بلکہ تھوڑا تھوڑا حسبِ ضرورت یا حسبِ حال نازل ہوتا رہا۔ تا آں کہ تیئیس سالوں میں اس کا نزول مکمل ہوا۔ دورِ جہالت کے عرب کا معاشرہ جن بدحالیوں اور بدکرداریوں کا معجونِ مرکب تھا وہ کسی ذی علم یا اہلِ بصیرت سے پوشیدہ نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ بہت سارے اطوار و عادات کو یک بیک مسترد یا کالعدم نہیں کیا گیا کہ وحشی قوم اس کا متحمل نہیں ہو سکتی لہٰذا تدریجاً اس کے حالات و اطوار کو ایک صالح معاشرہ کی اچھائیوں سے بدلا گیا۔ ان کے لیے یہی طریقۂ اصلاح یقیناً مبنی برحکمت تھا۔ لہٰذا بدلتے ہوئے حالات میں جو جو حکم الٰہی نازل ہوتا گیا وہ سب قرآن حکیم کی صورت میں موجود ہے۔ اب اُن احکام میں مقدم و مؤخر اور ناسخ و منسوخ کی حیثیت سے آیاتِ قرآنیہ کا متمیز کرنا علوم اسلامیہ کے مبتدیوں پر ضروری ہے کہ علم کی صورت میں ناگاہ وہ آیاتِ منسوخہ کے حکموں پر خود عمل نہ کرنے لگیں یا اس کے حکموں کی تبلیغ و اشاعت میں نہ لگ جائیں، اور ع چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی' کا مصداق بن جائیں۔

یونہی دورِ جہالت کے بعض سقراط و بقراط نزولِ قرآن کے دور میں موجود تھے اور آج بھی موجود ہیں ان کو عاجز و ساکت کرنے کے لیے حروف مقطعات وغیرہ کا نزول ہوا جس کے سامنے انھیں گھٹنے ٹیکنے پڑے اور آج بھی حروفِ مقطعات عالمی دانش کدوں کے لیے چیلنج ہیں۔ اسی طرح منافقین کی آزمائش و ابتلا کے لیے بعض آیاتِ متشابہات کا نزول ہوا جن میں انھوں نے موشگافیاں کیں۔ اور اپنی عقل و فہم کے مطابق معنی و مراد تلاش کیا۔ اور جادۂ حق سے دور جا پڑے۔ لہٰذا دینی علوم کے مبتدیوں پر ضروری ہوا کہ وہ آیاتِ محکمات کو آیاتِ متشابہات سے متمیز کریں تاکہ مبادا وہ آیاتِ متشابہات ہی کی پیروی نہ کرنے لگیں۔ اور زیغ و ضلالت کے شکار نہ ہو جائیں۔

قرآن حکیم میں سینکڑوں آیاتِ مبہمات بھی ہیں جن میں افراد، جماعت، ذی روح، غیر ذی روح نیز دنیا اور آخرت کی بعض مخلوق و اسماء کو مبہم رکھا گیا ہے۔ لہٰذا طلبائے علوم دینیہ کو یہ جاننا ضروری ہے کہ کس آیتِ مبہمہ کے پردۂ ابہام میں کون فرد یا جماعت وغیرہ پوشیدہ ہے کہ جب تک اس کا علم نہ ہو جائے، ترجمۂ قرآنی پر عبور حاصل ہو جانے کے بعد بھی وہ محکی عنہ سے غافل اور حقیقت سے بے خبر رہے گا۔

ان ناگزیر احوال کو سامنے رکھتے ہوئے میں نے ضروری سمجھا کہ اردو زبان میں ایک ایسا مختصر مجموعہ ہو جس میں آیاتِ محکمات و متشابہات، آیاتِ ناسخ و منسوخ اور آیاتِ مبہمات وغیرہا کی تعریف و تمثیل ہو جو طلبائے علوم دینیہ کے لیے خصوصاً اور دینی ذوق رکھنے والے حضرات کے لیے عموماً نافع ہو۔ لہٰذا خداوند قدوس کی ذاتِ والا صفات پر بھروسہ کرتے ہوئے اس کے محبوب بندوں کی دعاؤں کی برکت سے مضامین بالا پر مشتمل یہ مختصر کتاب اربابِ ذوق کی خدمت میں حاضر ہے۔ ناظرین کرام اگر اس سے فائدہ اٹھائیں تو ناچیز کے حق میں خاتمہ بالخیر کی دعا سے نوازیں اور اگر کہیں سہو و غلطی نظر آئے تو برائے کرم مطلع کرنے کی زحمت گوارہ کریں، تاکہ آئندہ اشاعت میں شکریہ کے ساتھ اس کی تصحیح ہو سکے۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ

عبد الواجد قادری غفرلہٗ
"القرآن" ادارہ اسلامیات۔ کرائیت بورکھ لاو
B.D ۱۱۰۴ ار آمسٹردم۔ نیدرلینڈ۔
(یورپ)

انتساب

مجددِ اعظم امام احمد رضا فاضل بریلوی حجۃ الاسلام علامہ شاہ حامد رضا۔ اور مرشدِ انام مفتیٔ اعظم علامہ شاہ مصطفیٰ رضا رضی اللہ تعالےٰ عنہم کے علوم و معارف کا عطرِ مجموعہ قمر العارفین مفسرِ اعظم مخدومی و مرشدی، مربی و استاذی حضرت علامہ الحاج شاہ ابراھیم رضا صاحب عرف جیلانی میاں قبلہ قدس سرہ العزیز کے نام نامی اسمِ گرامی سے اس مختصر کاوش کو معنون و منسوب کرتے ہوئے دارین کی سعادت سمجھتا ہوں جن کی نگاہِ التفات نے نہ جانے کتنے گم کردہ راہوں کو منزلِ مراد سے ہمکنار کر دیا اور جنہوں نے اپنی خصوصی درسگاہ سے لیکر مجمع عوام تک کتاب و سنت کے علمی و روحانی فیضان کو عام کیا۔ اور جو ایک چوتھائی صدی تک حضرت سیدنا ابن عباس، حضرت قاضی عیاض، حضرت علامہ مُلّا علی قاری، حضرت امام سیوطی، حضرت محقق دہلوی کا ترجمان اور امام اہلسنت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زبان بنکر کتاب و سنت کے اسرار و نکات کو بیان فرماتا رہا جن کی عطر بیزیوں سے آج بھی بہت سارے اذہان و افکار معطر و مشکبار ہیں اور جن کی تدریسی و تقریری شہ پاروں کا یہ عطیہ بنام "قرآنی علوم" اربابِ ذوق و نظر کی نذر ہے۔

گر قبول افتد ....

عبد الواجد قادری غفرلہٗ

دُعاء

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَحَبِیْبِنَا وَمَوْلٰینَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ؕ

اَمَّا بَعْدُ :-

الٰہا! بندہ نوازا!! اپنے محبوبِ کریم رؤوف رحیم علیہ التحیۃ والتسلیم کے طفیل توفیق عنایت فرما کہ قرآن مجید کی عالمگیر اور جاودانی تعلیمات کے ذریعہ اُن مخلص بھائیوں کی خدمت کرنے سے سعادت حاصل کروں جن کو تیرے کلام مقدس کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی سچی تڑپ اور ذوق سلیم ہے اور جو قرآنی تعلیم کو عام کرنے کا جذبۂ صادق رکھتے ہیں۔

اے میرے مولیٰ! حضور معلم کتاب و حکمت علیہ السلام والتحیۃ کے صدقے مجھ بے علم و ہنر کو اور میرے بھولے بھالے دینی بھائیوں کو قرآن حکیم میں خود رائی کرنے والوں کی تحریر و تقریر اور زلت و ضلالت سے بچا۔ اور بزرگوں کے بتائے ہوئے طریق کے مطابق قرآن فہمی کی توفیق ارزانی فرما جس سے تو اور تیرا محبوب راضی ہو جائے اور اس کی طفیل ہماری دنیا و آخرت سنور جائے۔

اے ھادیٔ حقیقی! اپنے فضل بے نہایت سے صراط مستقیم

پر گامزن رکھ۔ اپنے حبیب منعم علیہم بندوں کی راہ پر چلا، اہل سنت و جماعت کے مذہب مہذب پر ثابت قدم رکھ۔ ایمان پر خاتمہ نصیب فرما اور حشر میں مقرب بندوں کے ساتھ اٹھا۔

ملکا بادشاہا! صرف تیری رضاجوئی کے لئے چند مضامین پر مشتمل یہ مختصر قرآنی علوم کا مجموعہ تیرے مخلص بندوں کی نذر ہے اسے مقبولیت کا شرف عطا فرما۔ اور ان مضامین کے ذریعہ قرآن فہمی کو آسان فرمادے۔ آمین آمین ثُمَّ آمین بجاہِ طٰهٰ ویٰسین

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى سَيِّدِنَا وَحَبِيْبِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ سَيِّدِ الْاَنْبِيَاۤءِ وَاَشْرَفِ الْمُرْسَلِيْنَ (عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ) وَعَلٰى اٰلِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ وَصَحْبِهِ الْمُكَرَّمِيْنَ وَعَلٰى حِزْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ط

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ

مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ

فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ

ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا

اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ

رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ

اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ

ترجمہ:

وہی ہے جس نے تم پر یہ کتاب اتاری اس کی کچھ آیتیں صاف معنی رکھتی ہیں اور دوسری وہ ہیں جنکے معنی میں اشتباہ ہے وہ جن کے دلوں میں کجی ہے، وہ اشتباہ والی کے پیچھے پڑتے ہیں۔ گمراہی چاہنے اور اس کا پہلو ڈھونڈھنے کو اور اس کا ٹھیک پہلو اللہ ہی کو معلوم ہے۔ اور پختہ علم والے کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے سب ہمارے رب کے پاس سے ہے اور نصیحت نہیں مانتے مگر عقل والے۔ اے ہمارے رب ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر بعد اس کے کہ تو نے ہمیں ہدایت دی اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا کر بے شک تو ہے بڑا دینے والا۔

(آل عمران)

آیاتِ محکمات و متشابہات

قرآن مجید کی آیتیں محکم ہیں یا متشابہ؟

ارشاداتِ قرآنی کی روشنی میں یا تو پورا قرآن آیاتِ محکمات پر مشتمل ہے "کِتَابٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُہٗ"، یا آیاتِ متشابہات پر "کِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ"۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیتیں محکم بھی ہیں اور متشابہ بھی، یعنی پورا قرآن نہ تو بالکلیہ آیاتِ محکمات پر مشتمل ہے اور نہ ہی آیاتِ متشابہات پر۔ بلکہ بعض آیتیں محکمات ہیں اور بعض آیتیں متشابہات، جیسا کہ وضاحت کے ساتھ قرآن مجید کا ارشاد ہے هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ وہی ہے جس نے آپ پر کتاب اتاری، اسکی مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ کچھ آیتیں محکمات ہیں وہ کتاب کی اصل الْکِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ہیں۔ اور دوسری متشابہات ہیں۔

اس تیسری آیت کریمہ کی وضاحت کو سامنے رکھتے ہوئے پہلی آیت کا مفہوم و مراد یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیتیں ایسی محکم و متیقن ہیں جن میں کسی طرح کے عیب و اختلاف کی گنجائش نہیں ہے۔ اور مذکورہ دوسری آیت کا مقصود و مراد یہ ہے کہ اپنی معجز نمائی کے اعتبار سے قرآنی آیات و الفاظ ایکدوسرے کے متشابہ ہیں مگر اپنے اپنے مقام میں مستقل حیثیت کی حامل ہیں، یا یہ مقصد ہے کہ حق و صداقت کے اظہار و بیان میں بعض آیتیں بعض آیتوں کے متشابہ اور مؤید ہیں۔

آیاتِ محکمات

قرآن مجید کی محکم آیتیں وہ ہیں جن کا معنیٰ صاف اور مراد واضح ہو۔ جن کی معرفت و وضاحت بیان کرنے میں اہل علم کو توقف و تاویل کی ضرورت نہ پڑے۔ جن کا معنیٰ و مراد صحیح عقل و فہم سے متصادم نہ ہو اور جن کے سمجھنے میں تاویلات کی ضرورت پیش نہ آئے۔ اور جن آیتوں میں یہ خصوصیات نہ پائی جائیں وہ آیاتِ متشابہات ہیں۔ گویا آیاتِ متشابہات قرآن مجید کی وہ آیتیں ہیں جن کا معنیٰ ظاہر نہ ہو اور جو ظاہر ہو وہ مراد نہ ہو۔ بلکہ معنیٰ و مراد دونوں مشتبہ ہو۔ اور اشتباہ کو دور کرنے کے لئے تاویلات کی ضرورت پڑے۔ قرآن مجید نے دونوں قسموں کی آیاتِ مبارکہ کا حکم بھی بیان فرما دیا ہے کہ آیاتِ محکمات تو قرآن مجید کی اصل ہیں، جس سے عقائد و ایمان، عبادات و معاملات، حلال و حرام اور وعد و وعید وغیرہا متفرع ہیں۔ اور آیاتِ متشابہات لوگوں کے ایمان و عمل کی آزمائش کے لئے ہیں کہ جن کے دلوں میں کجی یا گمراہی ہوگی وہ فتنہ و گمراہی کو پھیلانے کیلئے قرآن مجید سے آیاتِ متشابہات کو چن چن کر نکالیں گے اور دوسرے لوگوں کو بھی اس میں ڈبکیاں دینے کی سعیِ منحوس کریں گے۔ ارشادِ ربانی ہے

فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ کہ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ اشتباہی معنیٰ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ والی (آیاتِ متشابہات) کے پیچھے پڑتے الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ وَمَا ہیں گمراہی چاہنے اور اس کی تاویل کرنے کو۔ یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ۔ اور اسکا ٹھیک پہلو اللہ ہی کو معلوم ہے۔

(آیۃ پ۱۔) (پ ۳)

بخاری و مسلم وغیرہما میں حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری آیت مذکورہ کی تلاوت فرمائی پھر ارشاد فرمایا: فَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ

مَا تَشَابَہَ مِنْہُ فَاُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ سَمَّی اللّٰہُ فَاحْذَرُوْھُمْ

(کہ جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو آیات متشابہات کی پیروی کر رہے ہوں تو سمجھ لو کہ وہ وہی ہیں جن کے دلوں میں زیغ و گمراہی ہے ان سے بچنا!") ایک دوسری حدیث پاک کا مفہوم یہ ہے کہ حضور پرنور رحمتہ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "پہلی آسمانی کتابیں ایک باب اور ایک ہی قرأت پر نازل ہوتی تھیں۔ مگر قرآن مجید کا نزول سات بابوں اور سات قرأتوں پر ہوا ہے اس میں منہیات و اوامر کا بیان ہے، حلال و حرام کی تفصیل ہے، محکم و متشابہ آیات ہیں، اور امثال بھی ہیں۔ تو اس کے حلال کو حلال جانو، حرام کو حرام جانو، اس کے اوامر پر عمل پیرا ہو اور منہیات سے بچتے رہو۔ اسکی مثالوں سے عبرت حاصل کرو اور آیاتِ محکمات پر عمل کرتے رہو۔ اور جو آیاتِ متشابہات ہیں ان پر بایں معنیٰ ایمان رکھو کہ وہ بھی من جانب اللہ ہیں۔"

(اَخْرَجَہُ الْحَاکِمُ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم)

ان آیات و احادیث کی روشنی میں مفسرِ قرآن حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا آیاتِ محکمات و متشابہات سے متعلق یہ ارشاد و فیصلہ ہے کہ اگرچہ دونوں قسم کی آیتیں منجانب اللہ ہی ہیں لہٰذا دونوں کے حق و صداقت پر ہمارا ایمان ہے مگر دینیات اور شرعی احکام کا دار و مدار آیاتِ محکمات پر ہے اس لئے آیاتِ متشابہات کو احکام شرع یا دینیات میں بطور استشہاد پیش نہیں کیا جا سکتا۔

(اَخْرَجَہُ ابْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ مِنْ طَرِیْقِ الْعَوْفِی)

علامہ دارمی نے اپنی مسند میں ایک نہایت عبرت انگیز واقعہ حدیثِ صحابہ کے طور پر نقل فرمایا ہے جس کے راوی حضرت سلیمان بن یسار ہیں کہ حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت

میں صبیغ نامی ایک شخص مدینہ منورہ میں وارد ہوا اور جن جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس قرآنی ذخائر یا جزء موجود تھے ان کی خدمتوں میں آنا جانا شروع کیا اور انہی نفوس قدسیہ کی مدد سے ان ذخائر و اجزاء میں سے آیاتِ متشابہات کو تاویلاتِ فاسدہ کی غرض سے علیحدہ کرنا شروع کیا جس کی اطلاع حضور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہو گئی۔ آپ نے کھجور کی چھڑیاں منگوائیں اور اس شخص کو دربارِ خلافت میں طلب فرمایا پھر پوچھا "تمہارا کیا نام ہے؟" اس نے کہا "عبداللہ بن صبیغ، لیکن میں صبیغ کے نام سے مشہور ہوں!" حضرت سیدنا فاروق اعظم نے اسے صفائی کا کوئی موقع نہیں دیا۔ بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فراہم کردہ اطلاعات پر اسے چھڑیوں سے پیٹنا شروع کر دیا کئی چھڑیاں ٹوٹ گئیں مگر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیٹتے رہے یہاں تک کہ اس کے سر سے خون کے فوارے جاری ہوئے اور اس کی تہبند بھی خراب ہو گئی پھر اسے چھوڑ دیا، چند دنوں قید میں رہا۔ جب صحت یاب ہو گیا تو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر اسے دربارِ خلافت میں طلب فرمایا مگر اس نے اپنے کرتوت سے باز آنے کا وعدہ نہیں کیا۔ چنانچہ خلیفہ راشد نے دوبارہ پھر پیٹنا شروع فرمایا اور جب خون سے تر بتر ہو گیا تو پوچھا "اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟" صبیغ نے ڈھیٹ ہو کر کہا "اگر آپ کا ارادہ قتل کرنے کا ہے تو بے شک قتل کر دیجئے کہ جب تک میں زندہ ہوں اپنے کام سے باز نہیں آؤں گا!" سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "اگر مجھے یقین ہوتا کہ تمہارے قتل کرنے سے یہ فتنہ ختم ہو جاتا تو یقیناً میں تجھے قتل کر دیتا۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ جس دروازہ کو تم نے کھولا ہے وہ بند ہونے والا نہیں۔ لہٰذا مدینہ منورہ کو تم اپنے وجود سے آج ہی پاک کر دو اور جہاں سینگ سمائے چلے جاؤ ـــ!" عبداللہ ابن صبیغ نے اسی وقت ملکِ شام کی طرف راستہ لیا، تو حضرت سیدنا

فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہاں کے گورنر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو خلافتی سطح پر خط لکھا کہ اس شخص کا سماجی بائیکاٹ کیا جائے اور کوئی مسلمان اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا نہ کرے۔"

حضرت سیدنا عمر فاروق اکثر اپنے دوستوں اور مسلمانوں سے فرمایا کرتے تھے کہ ایسے لوگوں کا ظہور ضرور ہوگا جو آیاتِ متشابہات کے ذریعہ مسلمانوں سے جدال و مناظرہ کریں گے ان کا منہ توڑ جواب اہل سنن ہی دیں گے کیونکہ اصحاب سُنن (اہل سنت وجماعت) علوم قرآنی کے زیادہ جانکار ہوتے ہیں۔ وَاَخرَجَ الدَّارِمِیُّ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ اِنَّہٗ سَیَاتِیْکُمْ نَاسٌ یُجَادِلُوْنَکُمْ بِمُشْتَبِہَاتِ الْقُرْاٰنِ فَخُذُوْاھُمْ بِالسُّنَنِ فَاِنَّ اَصْحَابَ السُّنَنِ اَعْلَمُ بِکِتَابِ اللّٰہِ۔

آیاتِ قرآنیہ میں کون کون سی آیتیں محکمات ہیں اور کون کون سی متشابہات یہ معلوم کرنا خاصا مشکل کام ہے پھر بھی ہمارے بزرگوں نے اس کے لئے کامیاب کوشش فرمائی ہیں اور ان کوششوں کے نتیجہ میں یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ جن آیتوں کا معنیٰ معلوم نہیں ہے مثلاً اوائل سُوَر میں الٓمٓ۔ الٓرٰ۔ الٓمٓصٓ وغیرہا جسے حروفِ مقطعات کہا جاتا ہے۔ وہ سب آیاتِ متشابہات سے ہیں۔ یا جن آیتوں کا لفظی معنیٰ تو معلوم ہو مگر اس کا اطلاق اسلامی عقائد و نظریات کے خلاف ہے۔ مثلاً اللہ وہ ہے جو جسم و جسمانیات ہمکان و مکانیات سے پاک و منزہ ہے پھر بھی قرآن مجید کی درجنوں آیات میں " یَدٌ، وَجْہٌ، عَیْنٌ، اِسْتَوٰٓی فَوْقَ، عُلاہٗ، اَقْرَبُ، جَآءَ وغیرہا الفاظ کی اضافت و نسبت اس ذاتِ اقدس کی طرف ہے جو اس سے پاک و بے نیاز ہے تو ان الفاظ کی معنوی تاویل کرنی پڑیگی اور جب معنوی تاویل کی ضرورت پڑی تو وہ آیات جن میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں محکمات سے نہ رہیں۔ اسی طرح وہ آیتیں جن کا ظاہری معنیٰ بادی النظر میں نبوت و

رسالت کے قرار واقعی، توقیر و تعظیم کا درس نہ دے رہی ہوں بلکہ کسی بھی نبی و رسول کے علوِ مرتبت کے منافی معلوم ہوتی ہوں مثلاً وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَہَدٰی. اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ۔ وَمَآ اُبَرِّیٴُ نَفْسِیْ" وغیرہا، وہ سب بھی آیاتِ متشابہات سے ہیں۔

پورے قرآن مجید میں آیاتِ محکمات و متشابہات کی معرفت حاصل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ اس قاعدہ کو ذہن نشین کر لیا جائے، ورنہ قرآن پڑھنے اور سمجھنے کے باوجود آدمی وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ کے زمرے میں داخل نہیں ہوگا اور نہ ہی صاحبِ عقل و بصیرت کہلائے گا۔ بلکہ بہت ممکن ہے کہ قرآن پڑھنے اور دعویٔ تفہیم کے باوجود آیاتِ متشابہات کی معرفت نہ رکھنے کی وجہ سے اہلِ زیغ میں شمار ہو اور قرآن ہی کے ذریعہ امتِ مسلمہ میں فتنہ و فساد کو جنم دیتا رہے۔ اس بے راہ روی کے مہلک دور میں جبکہ قرآنی محکم و متشابہ، مقدمہ و مؤخرہ، عامہ و خاصہ مجملہ و مبینہ، ناسخہ و منسوخہ، مطلقہ و مقیدہ، منطوقہ و مفہومہ آیات وغیرہا کی خبر نہیں ہے اور نہ یہ جانتے ہیں کہ قرآنی حقیقت و مجاز، تشبیہ و استعارات، تعریض و کنایات ایجاز و اطناب، حصر و اختصاص اور خبر و انشا میں کیا فرق ہیں پھر بھی تعلیماتِ قرآنیہ کے مبلغِ اعظم بنے ہوئے ہیں۔ بلکہ تبلیغ دین کے نام پر ایسے نام نہاد مُلّاؤں کا جتھا بنائے ہوئے ہیں جنھیں دین کے ابجد کی بھی خبر نہیں قرآن فہمی تو بڑی بات ہے۔ اس طرح یہ نام نہاد مبلغین تبلیغ دین نہیں بلکہ تخریب دین کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہیں الامان والحفیظ، اللہ تعالیٰ اپنی خاص رحمتیں نازل فرمائے دینِ متین کے عالموں اور شریعتِ مطہرہ کے ان حاملوں پر جنھوں نے ایسے نادان مبلغین و واعظین کا احتساب فرمایا اور ان کی مجلسوں میں شریک ہونے سے عامۃ المسلمین کو سختی کے ساتھ روکا۔

قرآنی محکمات و متشابہات کو سمجھنے کا ایک آسان قاعدہ یہ ہے کہ معنوی حیثیت سے قرآنی الفاظ و جمل کی چار قسمیں ہیں۔ نص، ظاہر، مجمل، مؤول۔ جن آیتوں

کے الفاظِ مبارکہ ایسے معنیٰ مستقل رکھتے ہوں کہ اُن میں دوسرے معنیٰ کا احتمال نہ ہو تو وہ نص ہے اور دوسرے معنیٰ کا بھی احتمال ہو اور یہی زیادہ راجح ہو تو ظاہر ہے اور اگر جن الفاظِ مبارکہ کا معنیٰ دوسرے معنیٰ کا محتمل تو ہو مگر راجح نہ ہو بلکہ مساوی ہو تو وہ مُجمَل ہے۔ اور اگر مساوی بھی نہ ہو یا پھر معنیٰ ہی عام فہم و ادراک کی بساط سے باہر ہو تو وہ مؤوّل ہے۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ قرآن مجید کی کون کون سی آیتیں معنوی حیثیت سے نص یا ظاہر کی تعریف میں آتی ہیں اور کون کون سی مجمل اور مؤوّل کی تعریف میں۔ پس جو آیتیں نص یا ظاہر ہوں یا ان دونوں کے درمیان مشترک ہوں وہ سب آیاتِ محکمات ہیں۔ اور جو آیتیں مجمل یا مؤوّل ہوں یا ان دونوں کے درمیان مشترک ہوں تو وہ آیاتِ متشابہات ہیں۔ ان دونوں کے فیضان و اسرار سے فیضیاب ہونے کے لئے رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ. کو اپنا وظیفہ بنا لینا چاہیئے تاکہ اہلِ زیغ کے داؤ سے محفوظ و مامون رہے اور راسخانِ علم کے طفیل صراطِ مستقیم پر ثابت قدم رہے۔ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ

جب کوئی آیت ہم منسوخ فرمائیں یا بھلا دیں تو اس سے بہتر یا اس

مِثْلِهَا اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

جیسی لے آئیں گے۔ کیا تجھے خبر نہیں کہ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے

البقرۃ

آیاتِ ناسخہ ومنسوخہ

قرآن عظیم کی درجنوں آیتیں ناسخ ہیں اور درجنوں منسوخ! قرآن فہمی کا ذوق رکھنے والے حضرات جب تک اس سے واقف نہ ہوں فہم قرآن میں غلطیاں ہوسکتی ہیں۔ بلکہ وہ جگہ جگہ ٹھوکریں کھاسکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے اسلاف کرام اور علمائے راسخین نے اس کو واضح طور پر بیان کرنے کی طرف خصوصی توجہ فرمائی ہے اور اس فن میں درجنوں کتابوں کی تصنیف عمل میں آئی۔ افسوس کہ اردو زبان میں ایسی کوئی تالیف وتصنیف نظرِ فقیر سے نہیں گزری جس میں آیاتِ ناسخہ ومنسوخہ کی وضاحت کی گئی ہو۔

میں نے بعونہٖ تعالیٰ وبکرم حبیبہ الاعلیٰ چاہا کہ افادۂ عامۃ المسلمین کیلئے عموماً اور علوم دینیہ کے باذوق حضرات کیلئے خصوصاً ان تمام آیاتِ قرآنیہ کو یکجا کردوں جو ناسخہ یا منسوخہ ہیں کہ جب آیاتِ منسوخہ کا علم حاصل ہوجائے گا تو ان سے مسائل نکال کر نہ خود گمراہ ہوں گے اور نہ دوسرے بھائیوں کو گمراہ کریں گے۔ آج یہ ایک عام مصیبت سامنے آکھڑی ہوئی ہے کہ ہر دعویدار اپنی دلیل میں آیاتِ قرآنیہ پیش کرتا ہے، اس کو اس سے کوئی مطلب نہیں کہ جو دلیل وہ پیش کررہا ہے وہ محکم ہے یا متشابہ، مقدم ہے یا موخر، خاص ہے یا عام، مجمل ہے یا مبیّن، ناسخ ہے یا منسوخ، مطلق ہے یا مقید، خبر ہے یا انشاء، حقیقت ہے یا مجاز وغیرہا۔ اور جب تک ان حقائق ومعارف کا علم نہ ہو، خطرات سے وہ محفوظ نہیں ہوسکتا۔ اس لیے ضروری ہوا کہ قرآن فہمی اور اس سے کماحقہٗ فائدہ اٹھانے کے لئے ان معارف میں اگر تبحر

نہ ہو تو لمس ضرور ہو، تاکہ آیت دلیل پیش کرنے سے پہلے اسے احساس ہو کہ ہم کدھر جارہے ہیں؟

ان تمام نام نہاد ملاؤں اور مبلغوں کی حرکتوں کو دیکھ کر نہایت کوفت ہوتی ہے جو فنونِ قرآنیہ کے ابجد سے بھی دور کا واسطہ نہیں رکھتے مگر تراجم قرآنی دیکھ کر ہمہ دانی کا دعویٰ کرتے اور ان علماء کرام کو حقیر و ناسمجھ سمجھتے ہیں جنہوں نے اپنی زندگی کا عزیز ترین حصہ قرآن وسنت کو سمجھنے کے لئے علوم وفنون کی تحصیل میں صرف فرمادیا ہے۔ آج مذہب ومسلک کے اعتبار سے دین میں جو بھی فتنہ وفساد برپا ہے۔ اور دین متین سے ناواقف حضرات جو مطلق العنان ہوتے جارہے ہیں وہ سب انہیں کٹھ ملاؤں کی دین ہے۔ ائمہ مجتہدین اور اسلاف کرام کے دور میں بھی اختلافات تھے مگر وہ علمی و فکری اختلافات تھے۔ وہ بنیادی اصولوں سے ہٹ کر اختلاف نہیں فرماتے تھے اسی لئے وہ اختلاف کرنے کے باوجود مصیب ومثاب تھے اور آج علم دین سے کوئی آشنائی بھی نہیں، پھر بھی علمائے راسخین وربانیین سے ہاتھا پائی کرنے پر تلے ہوتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ قوم مسلم کے درمیان سے امان اٹھتا جارہا ہے جس کا سینگھ جدھر سماتا ہے ادھر منہ اٹھائے چلا جاتا ہے۔ اگر کوئی شرعی معاملہ آجائے تو علماء سے پہلے ان پڑھ لوگ اس میں موشگافیاں شروع کردیتے ہیں اور بالآخر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ "وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا"، پر علماء کرام کو عمل کرنا پڑتا ہے غالباً یہی وہ پرفتن دور ہے جس کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ "جہاں دین پر جری ہوں گے اور فتوے جاری کریں گے"

قرآن عظیم کی آیاتِ ناسخہ اور آیاتِ منسوخہ دونوں پروردگارِ عالم کی طرف سے ہیں اور دونوں عین حکمت پر مبنی ہیں۔ کبھی ایک حکم فرمانبرداروں کے لئے

سہل اور نفع بخش ہوتا ہے اور کبھی اسی حکم کا بدل دیا جانا زیادہ سہل و انفع ہوتا ہے، مثلاً حضرت آدم و حوا علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اولادِ ذکور و اناث میں باہم نکاح ہوتا رہا۔ پھر جب خاندانوں میں وسعت ہوئی تو اس حکم کو بدل دیا گیا۔ پھر آہستہ آہستہ نکاح کے اصول و قانون میں اصلاحات ہوتے رہے، آخر میں پیغمبرِ اسلام حضور پر نور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک ہاتھوں اس کو مکمل فرما دیا گیا، لہٰذا اوامر و نواہی ناسخ ہوں یا منسوخ دونوں منجانب اللہ تعالیٰ ہیں جن میں اہلِ ایمان کو کسی طرح کا شک و تردد روا نہیں۔ کیونکہ یہ آئے دن کا مشاہدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دن کو رات سے، گرمی کو سردی سے، بہار کو خزاں سے اور جوانی کو بڑھاپے سے بدلتا اور منسوخ فرماتا رہتا ہے، گویا کارخانۂ حیات اور جہانِ رنگ و بو کی ساری رعنائیاں تبدیل و تنسیخ سے قائم ہیں جو کائنات میں قدرت کی کارفرمائی پر عظیم دلائل ہیں۔ دراصل نسخ حکمِ سابق کی مدت کا بیان ہوتا ہے کہ وہ حکم اسی مدت کے لئے تھا اور عین حکمت پر محمول تھا، مگر مدت گزر جانے کے بعد اب عینِ حکمت یہ ہے کہ اس حکم کو بدل دیا جائے مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کے دورِ گرامی میں تمام چوپائے ان کی امت کے لئے حلال تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بہت سارے چوپائے حرام کر دیئے گئے، عالمگیر سیلاب اور چوپایوں کی قلت کی وجہ سے پہلا حکم عین حکمت پر مبنی تھا، پھر امتدادِ زمانہ کے بعد جنگلوں کی بہتات، سرسبزیوں کی کثرت، مویشیوں اور چوپایوں کی پیداوار کے پیشِ نظر دوسرا حکم ہی عین حکمت پر مبنی ہوا۔ لہٰذا نسخ پر اعتراض کا حق نہ اہلِ کتاب کو پہنچتا ہے نہ مادہ پرستوں کو۔ کیونکہ کتبِ قدیمہ و شرائعِ سابقہ کا ادلنا بدلنا اہلِ کتاب کے سامنے ہے۔ توریت شریف کے نزول سے قبل شنبہ کو دنیوی کام کرنا حرام نہیں تھا، پھر موسوی امت پر حرام ہو گیا۔

پھر انجیل شریف کے نزول کے بعد شنبہ کو شکار اور دنیوی کاموں کی حرمت باقی نہ رہی۔ اور مادہ پرستوں کے یہاں تو تبدیل و تنسیخ ہی اس کا دھرم ہے۔ جب تک اس کا صغریٰ کبریٰ بدلتا نہیں ہے کوئی نتیجہ ہی سامنے نہیں آتا ہے۔

نسخ کا لغوی معنیٰ ہے زائل کرنا، باطل کرنا، مٹانا۔ جیسا کہ حدیث پاک میں آیا "مَا مِنْ نُبُوَّةٍ اِلَّا وَتَنَسَّخَتْهَا فَتْرَةٌ"، نبوت کے احکام و فیضان کو دو نبیوں کے درمیان کا زمانہ زائل کر دیتا ہے اور نسخ الکتاب کا معنیٰ ہے "نقل کرنا" یعنی کلیتہً اس کو معدوم تو نہیں کیا جاتا بلکہ اس کی جگہ پر کوئی مفید ترین بات لائی جاتی ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَاۤ اَوْ مِثْلِهَا"، (آیت ۱۰۶۔ البقرہ) جب کوئی آیت ہم منسوخ فرمائیں یا بھلا دیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی لے آئیں گے۔" اس آیت پاک نے بتلایا کہ آیتیں ناسخ بھی ہوتی ہیں اور منسوخ بھی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ منسوخ حکم سے زیادہ سہل و انفع حکم بعد میں دیا جاتا ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ جس طرح بعض آیت بعض سے منسوخ ہوتی ہے، اسی طرح حدیثِ متواتر سے بھی منسوخ ہو جاتی ہے کہ وہ بھی وحی کی ایک قسم ہے، نیز یہ بھی ذہن نشین رہے کہ قرآنی اخبارات و قصص میں نسخ واقع نہیں ہوتا اور نہ عند الفقہاء یہ جائز ہے۔ بلکہ نسخ کا وقوع صرف اوامر و نواہی میں ہوتا ہے، یعنی حلال و حرام کے بعض احکام شرائع سابقہ سے بدلتے آرہے ہیں اور جب دینِ حنیف کی تکمیل ہو گئی۔ "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ"، (الآیۃ ۳، المائدہ) آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔" تو اب اس کے حلال و حرام کے ادلنے بدلنے کا اختیار کسی کو نہیں رہا کیونکہ نعمتِ نبوت پوری ہو چکی اور اب کسی کو قیامت تک نبوت نہیں مل سکتی لہٰذا کوئی اوامر و نواہی میں ردو

بدل کری نہیں سکتا۔

نسخ کبھی حکم اور تلاوت دونوں کا ہوتا ہے۔ مثلاً۔ لَوْ کَانَ لِابْنِ اٰدَمَ وَادِیَانِ مِنْ ذَهَبٍ لَابْتَغٰی اِلَیْهِمَا ثَالِثًا وَلَوْ اَنَّ لَهٗ ثَالِثًا لَابْتَغٰی اِلَیْهِ رَابِعًا وَلَا یَمْلَاُ جَوْفَ ابْنِ اٰدَمَ اِلَّا التُّرَابُ وَیَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰی مَنْ تَابَ۔ اور کبھی صرف حکم کا مثلاً فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ کہ اس کی تلاوت باقی ہے صرف حکم منسوخ ہے۔ اور کبھی تلاوت منسوخ ہوجاتی ہے مگر حکم باقی رہتا ہے مثلاً اَلشَّیْخُ وَالشَّیْخَةُ اِذَا زَنَیَا فَارْجُمُوْهُمَا اَلْبَتَّةَ نَکَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ۔

قرآنی آیاتِ ناسخہ ومنسوخہ کو سمجھنے اور اس کو آسان تر بنانے کے لئے میں بتوفیقہ تعالیٰ کئی قسموں میں انہیں تحریر کرتا ہوں تاکہ طلباءِ علوم دینیہ اور باذوق حضرات کے ذہن میں اچھی طرح نقش ہوجائے اور وہ خود دونوں قسم کی آیتوں میں امتیاز کرسکیں اور خطِ فاصل کھینچ سکیں۔ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ۔

قسمِ اول

سب سے پہلے اس بات کا علم ہونا ضروری ہے کہ نزول کے اعتبار سے قرآن عظیم کی کون سی سورت کس سورت پر مقدم ہے جب تک سُوَرِ مقدمہ ومؤخرہ کا علم نہیں ہوجاتا اس وقت تک آیاتِ منسوخہ و ناسخہ کا کامل علم نہیں ہوسکتا۔ اس قسمِ اول میں قرآنی سورتوں کو میں نمبروار لکھتا ہوں تاکہ ذہن نشین ہوجائے کہ کس سُوَرِ کریمہ سے پہلے کون سی سُوَرِ کریمہ نازل ہوئی۔ سورتوں کے اندر بعض آیتوں کو مستثنیٰ رکھنا ہوگا۔ کیونکہ پوری پوری سُوَرِ کریمہ ایک بار نازل نہیں ہوئی۔ ہاں اکثر آیتوں کا

اعتبار کرتے ہوئے سورتوں کی تقدیم وتاخیر کا نقشہ پیش کیا جارہا ہے:

۱ اَلْعَلَق، ۲ اَلْقَلَم، ۳ اَلْمُزَّمِّل، ۴ اَلْمُدَّثِّر، ۵ اَلْفَاتِحَة، ۶ اَللَّهَب، ۷ اَلتَّکْوِیْر، ۸ اَلْاَعْلٰی، ۹ اَللَّیْل، ۱۰ اَلْفَجْر، ۱۱ اَلضُّحٰی، ۱۲ اَلَمْ نَشْرَح، ۱۳ اَلْعَصْر، ۱۴ اَلْعَادِیَات، ۱۵ اَلْکَوْثَر، ۱۶ اَلتَّکَاثُر، ۱۷ اَلْمَاعُوْن، ۱۸ اَلْکَافِرُوْن، ۱۹ اَلْفِیْل، ۲۰ اَلْفَلَق، ۲۱ اَلنَّاس، ۲۲ اَلْاِخْلَاص، ۲۳ اَلنَّجْم، ۲۴ عَبَس، ۲۵ اَلْقَدْر، ۲۶ اَلشَّمْس، ۲۷ اَلْبُرُوْج، ۲۸ اَلتِّیْن، ۲۹ قُرَیْش، ۳۰ اَلْقَارِعَة، ۳۱ اَلْقِیَامَة، ۳۲ اَلْهُمَزَة، ۳۳ اَلْمُرْسَلَات، ۳۴ قٓ، ۳۵ اَلْبَلَد، ۳۶ اَلطَّارِق، ۳۷ اَلْقَمَر، ۳۸ صٓ، ۳۹ اَلْاَعْرَاف، ۴۰ اَلْجِنّ، ۴۱ یٰسٓ، ۴۲ اَلْفُرْقَان، ۴۳ فَاطِر، ۴۴ مَرْیَم، ۴۵ طٰهٰ، ۴۶ اَلْوَاقِعَة، ۴۷ اَلشُّعَرَآء، ۴۸ اَلنَّمْل، ۴۹ اَلْقَصَص، ۵۰ اَلْاَسْرَآء، ۵۱ یُوْنُس، ۵۲ هُوْد، ۵۳ یُوْسُف، ۵۴ اَلْحِجْر، ۵۵ اَلْاَنْعَام، ۵۶ اَلصَّافَّات، ۵۷ لُقْمَان، ۵۸ سَبَا، ۵۹ اَلزُّمَر، ۶۰ غَافِر، ۶۱ فُصِّلَت، ۶۲ اَلشُّوْرٰی، ۶۳ اَلزُّخْرُف، ۶۴ اَلدُّخَان، ۶۵ اَلْجَاثِیَة، ۶۶ اَلْاَحْقَاف، ۶۷ اَلذّٰرِیٰت، ۶۸ اَلْغَاشِیَة، ۶۹ اَلْکَهْف، ۷۰ اَلنَّحْل، ۷۱ نُوْح، ۷۲ اِبْرٰهِیْم، ۷۳ اَلْاَنْبِیَآء، ۷۴ اَلْمُؤْمِنُوْن، ۷۵ اَلسَّجْدَة، ۷۶ اَلطُّوْر، ۷۷ اَلْمُلْک، ۷۸ اَلْحَاقَّة، ۷۹ اَلْمَعَارِج، ۸۰ اَلنَّبَاء، ۸۱ اَلنّٰزِعٰت، ۸۲ اَلْاِنْفِطَار، ۸۳ اَلْاِنْشِقَاق، ۸۴ اَلرُّوْم، ۸۵ اَلْعَنْکَبُوْت، ۸۶ اَلْمُطَفِّفِیْن، ۸۷ اَلْبَقَرَة، ۸۸ اَلْاَنْفَال، ۸۹ اٰلِ عِمْرٰن، ۹۰ اَلْاَحْزَاب، ۹۱ اَلْمُمْتَحِنَة، ۹۲ اَلنِّسَآء،

۹۳ الزلزلۃ، ۹۴ الحدید، ۹۵ محمد، ۹۶ الرعد، ۹۷ الرحمٰن، ۹۸ الانسان، ۹۹ الطلاق، ۱۰۰ البینۃ ۱۰۱ الحشر ۱۰۲ النور، ۱۰۳ الحج، ۱۰۴ المنافقون، ۱۰۵ المجادلۃ، ۱۰۶ الحجرات، ۱۰۷ التحریم، ۱۰۸ التغابن، ۱۰۹ الصف، ۱۱۰ الجمعۃ، ۱۱۱ الفتح، ۱۱۲ المائدۃ، ۱۱۳ التوبۃ، ۱۱۴ النصر،

ان سورتوں کو نزول کے اعتبار سے ترتیب وار لکھا گیا جس سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی ہوگی کہ کون سی سورۃ کس سورۃ کے بعد نازل ہوئی، اور ظاہر ہے کہ جو آیت یا سورۃ بعد میں نازل ہوئی وہ اپنے اوّل کی ناسخ ہوسکتی ہے۔

قسم ثانی: قرآن عظیم میں تینتالیس ایسی سورتیں ہیں جن میں نہ کوئی آیت ناسخ ہے اور نہ منسوخ بلکہ اس کی کل کی کل آیتیں محکمات ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔

۱ الفاتحہ، ۲ یوسف، ۳ یٰسٓ، ۴ الحجرات ۵ الرحمٰن، ۶ الحدید، ۷ الصف، ۸ الجمعہ، ۹ التحریم ۱۰ الملک، ۱۱ الحاقۃ، ۱۲ نوح، ۱۳ الجن، ۱۴ المرسلات ۱۵ النبا، ۱۶ النازعات، ۱۷ الانفطار، ۱۸ المطففین، ۱۹ الانشقاق، ۲۰ البروج، ۲۱ الفجر، ۲۲ البلد، ۲۳ الشمس ۲۴ اللیل، ۲۵ الضحیٰ، ۲۶ الم نشرح، ۲۷ اقرأ (العلق) ۲۸ القدر، ۲۹ لم یکن، (البینۃ) ۳۰ الزلزال، ۳۱ العادیات ۳۲ القارعۃ ۳۳ التکاثر، ۳۴ الھمزۃ، ۳۵ الفیل، ۳۶ لایلٰف قریش، ۳۷ الماعون، ۳۸ الکوثر، ۳۹ النصر، ۴۰ اللھب، ۴۱ الاخلاص، ۴۲ الفلق، ۴۳ الناس، ان تمام سورتوں کی آیتیں

محکمات ہیں نہ کسی دوسری آیت کے لئے ناسخ ہیں اور نہ کسی سے منسوخ۔

قسم ثالث: ایسی سورتوں کا بیان:- جن میں آیات منسوخہ تو ہیں مگر آیات ناسخہ نہیں اور وہ چالیس ہیں۔ اور اس قسم میں بعض محققین کا اختلاف ہے۔

۱ الانعام ۲ الاعراف ۳ یونس ۴ ھود ۵ الرعد ۶ الحجر ۷ النحل ۸ بنی اسرائیل ۹ الکھف ۱۰ طٰہٰ ۱۱ المؤمنون ۱۲ النمل ۱۳ القصص ۱۴ العنکبوت ۱۵ الروم ۱۶ لقمان ۱۷ الملٰئکۃ (الفاطر) ۱۸ السجدۃ۔ ۱۹ الصافات ۲۰ صٓ ۲۱ الزمر ۲۲ فصلت ۲۳ الزخرف ۲۴ الدخان ۲۵ الجاثیۃ ۲۶ الاحقاف ۲۷ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) ۲۸ قٓ ۲۹ النجم ۳۰ القمر ۳۱ الممتحنہ ۳۲ نٓ ۳۳ المعارج ۳۴ القیامۃ ۳۵ الانسان ۳۶ عبس ۳۷ الطارق ۳۸ الغاشیۃ ۳۹ التین ۴۰ الکافرون۔

قسم رابع: ایسی سورتوں کا بیان جن میں صرف آیات ناسخہ ہیں اور منسوخہ نہیں اور وہ چھ ہیں۔ ۱ الفتح ۲ الحشر، ۳ المنافقون ۴ التغابن ۵ الطلاق ۶ الاعلیٰ

قسم خامس: بعض آیات ناسخہ وہ ہیں جس نے سابق فرض کو منسوخ فرما کر اس کی جگہ دوسرا فرض نافذ کر دیا اور دوسرا فرض نافذ ہو جانے کے بعد پہلے فرض پر عمل جائز نہیں ہے، مثلاً زانیوں کے لئے مطلقاً زجر یا قید کا حکم تھا مگر اس کو حد سے منسوخ کر دیا گیا۔ اب زجر یا حبس پر عمل جائز نہیں ہے۔ آیتِ ناسخہ نے کسی عمل کو منسوخ فرما کر دوسرا فرض تو نافذ کر دیا لیکن پہلے پر عمل کرنا ناجائز و حرام نہیں

فرمایا جیسے آیۃ مصاہرۃ میں (اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ) کہیں[2] حکمِ مندوب کو منسوخ فرما کر حکمِ فرض نافذ کر دیا جاتا ہے اور حکمِ مندوب کالعدم ہو جاتا ہے اس پر عمل جائز نہیں مثلاً حکمِ جہاد ابتداءً مندوب و مستحب تھا پھر اسے منسوخ فرما کر فرض کر دیا گیا اور حکمِ مندوب رفع ہو گیا۔ اور کبھی حکمِ فرض کو منسوخ کر کے اسے مندوب و مستحب کے خانہ میں رکھ دیا جاتا ہے یعنی وہ امر تو باقی ہے مگر فرض کی حیثیت سے نہیں مثلاً ابتداءً راتوں میں قیام کرنا فرض تھا مگر اسے آیتِ قرآنی سے منسوخ کر دیا گیا یعنی صرف حکمِ فرض منسوخ ہوا، اس کا مندوب و مستحب ہونا باقی ہے اور اس پر عمل کرنا جائز بلکہ ازدیادِ ثواب و درجات کا سبب ہے۔

قسم سادس ان سورتوں کا بیان جن میں باختلافِ محققین آیاتِ ناسخہ و منسوخہ دونوں ہیں ——— اور ان کی مجموعی تعداد پچیس[25] ہے۔ البقرۃ[1]۔ الِ عمران[2]۔ النساء[3]۔ المائدۃ[4]۔ الانفال[5]۔ التوبہ[6]۔ ابراھیم[7]۔ مریم[8]۔ الانبیاء[9]۔ الحج[10]۔ النور[11]۔ الفرقان[12]۔ الشعراء[13]۔ الاحزاب[14]۔ سبا[15]۔ المؤمن[16]۔ الشوریٰ[17]۔ الذاریات[18]۔ الطور[19]۔ الواقعۃ[20]۔ المجادلۃ[21]۔ المزمل[22]۔ المدثر[23]۔ التکویر[24]۔ العصر[25]۔

قسم سابع آیات ناسخہ و منسوخہ کا اجمالی بیان۔ قرآن عظیم کی فقط بیس[20] آیتوں کے احکام کے منسوخ ہونے پر علماءِ محققین کا اجماع ہے اور وہ یہ ہیں۔

۱ :۔ کُتِبَ عَلَیْکُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَکَ خَیْرَنِ الْوَصِیَّۃُ لِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ بِالْمَعْرُوْفِ (تم پر فرض ہوا کہ جب تم میں کسی کو موت آئے اگر کچھ مال چھوڑے تو وصیت کر جائے اپنے

ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں کے لئے موافق دستور کے")

وضاحت :۔ ابتداءِ اسلام میں اپنے وارثوں کے لئے وصیت کر جانا مندوب و مستحب تھا پھر اسی طریقہ کو مسلمانوں پر فرض کر دیا گیا۔ اور ہر مرنے والے پر واجب ہو گیا کہ اپنے وارثوں کے لئے متروکہ مال میں وصیت کر جائے نیز وہ ہر ایک کے حق کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ وصیت کرے کہ کس کو کتنا کتنا حصہ ملے گا۔ مکی زندگی کے علاوہ ابتداءً مدنی دور میں بھی یہی طریقہ رائج رہا۔ پھر جب آیتِ میراث نازل ہوئی تو حکمِ مذکور منسوخ ہو گیا اور اب قرآنی سہام و حصص کے مطابق ہی متروکہ میت تقسیم ہوگا اور مرنے والوں کی وصیت اس وقت بے اثر رہے گی جبکہ اس نے ایک تہائی سے زیادہ مال میں وصیت کی ہو۔ اور ایک تہائی متروکہ میں بھی وصیت اسی وقت افضل و احسن رہے گی جب کسی وارث کا حق نہ مارا جاتا ہو نہ حق میں کمی واقع ہو۔ اگر وارث کے حق میں کمی واقع ہو تو وصیت کرنے سے خاموشی افضل ہے کہ تقسیمِ الٰہی کے مطابق متروکہ تقسیم ہوگا۔ اور اگر کسی وارث کا حق مارا جاتا ہو تو وصیت کرنا گناہ ہے۔ واللہ اعلم، ہاں جن قریبی رشتہ داروں کا ذکر آیتِ میراث میں نہیں ہے ان کے لئے ایک تہائی متروکہ میں وصیت کر جانا حسبِ سابق آج بھی مندوب و مستحسن ہے۔

آیتِ میراث :۔ سورۃ "النساء" کی گیارہویں[11] اور بارہویں آیتیں ہیں جن میں ذوی الفروض و ذوی الارحام اور میاں بیوی کے حقوق کی وضاحت ہے کہ مالِ متروکہ میں کس کو کتنا حصہ ملنا چاہیئے۔

علمائے محققین نے یہ بھی فرمایا کہ "آیتِ وصیت" اس حدیث پاک سے منسوخ ہے" اِنَّ اللّٰہَ قَدْ اَعْطٰی کُلَّ ذِیْ حَقٍّ حَقَّہٗ فَلَا وَصِیَّۃَ

لِوَارِثٍ "(اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کے حق کو آیتِ میراث میں عطا فرما دیا اب کسی وارث کے لئے وصیّت روا نہیں۔")

اور علامہ ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے علمائے اسلام کا یہ قول بھی نقل فرمایا کہ آیتِ وصیت بالاجماع منسوخ ہے۔ اگر کسی مفسرِ قرآن نے اس کے خلاف کلام کیا تو وہ عند الاجماع ساقط الاعتبار ہے۔

۲:۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ۔ (اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جیسے اگلوں پر فرض ہوئے تھے۔" (آیۃ ۱۸۳، بقرۃ)

وضاحت:۔ پہلی شریعتوں میں افطار کے بعد اور عشاء کا وقت داخل ہونے سے پہلے پہلے کھانا پینا اور بیوی کے ساتھ جماع کرنا جائز تھا اور یہ بھی اسی صورت میں جبکہ وہ شخص عشاء تک جگا ہوا ہو۔ اگر افطار کے بعد عشاء سے پہلے سو جاتا اور پھر عشاء کا وقت داخل ہونے سے پہلے ہی جاگ جاتا تو اس کے لئے کھانا پینا یا جماع کرنا حرام ہو جاتا اور یہی حکم روزہ داروں کے لئے ابتداءِ اسلام تک تھا۔ تو اس آیۃ کریمہ سے اس روزے کی فرضیت مسلمانوں پر ثابت ہوتی ہے جن روزوں کی راتوں میں بعد عشاء کھانا پینا، اور جماع کرنا حرام ہو، جیسا کہ "کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ" کا منشا اور مفاد ہے۔ مگر روزہ فرض ہو جانے کے بعد بعض صحابۂ کرام سے بعد عشاء مباشرت وقوع میں آئی، اور بعض صحابہ ایک روزہ کے بعد بغیر کھائے پیئے دوسرا روزہ رکھنے پر مجبور ہوئے مثلاً حضرت صرمہ بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، دن بھر کاشتکاری کے کام کو محنت سے انجام دیتے رہے، بعد افطار جب گھر تشریف لائے اور بیوی سے کھانا طلب کیا تو بیوی صاحبہ کھانے کا انتظام کرنے لگیں اور یہ خود تھکے ماندے لیٹے تو نیند آگئی اور جب

آنکھ کھلی تو کھانے سے انکار فرما دیا کیونکہ سو جانے کے بعد کھانا کھانا حلال نہیں تھا۔ ان سب وقوعات کے پیشِ نظر حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے بارگاہِ رسالت میں عرضِ حال کیا اور کہا کہ صحابہ اپنے ان افعال پر نادم ہیں، اب حکم عالی ہو کہ صحابہ کو کیا کرنا چاہیئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان پر رحم فرمایا یعنی پہلا حکم منسوخ فرما کر راتوں کو کھانے پینے اور مباشرت کی اجازت دی۔ لہٰذا آیۃ مذکورہ کا دوسرا حصہ، (کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ) منسوخ ہے اور اسکو نسخ کرنے والی آیتِ کریمہ "اُحِلَّ لَکُمْ لَیْلَۃَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآئِکُمْ" (الآیۃ ۱۸۷، البقرہ) اے مسلمانو! تمہارے لئے اپنی بیویوں سے قربت روزے کی راتوں میں حلال کیا گیا۔

اور کُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ) الآیۃ ۱۸۷، البقرہ) اے مسلمانوں روزے کی راتوں میں کھاؤ پیئو! تا آنکہ سفید دھاگہ متمیز ہو جائے کالے دھاگے سے یعنی فجر طلوع ہونے تک۔

۳:۔ وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا۔ وَّصِیَّۃً لِّاَزْوَاجِھِمْ مَّتَاعًا اِلَی الْحَوْلِ غَیْرَ اِخْرَاجٍ۔ آیۃ ۲۴۰، بقرہ (اور جو تم میں سے مریں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ اپنی بیویوں کے لئے وصیّت کر جائیں نان و نفقہ کی سال بھر تک بے نکالے۔")

وضاحت:۔ اس آیتِ پاک سے دو باتیں معلوم ہوئیں ۱: بیوہ بیویوں کے لئے وصیّت کرنا، ۲: سال بھر اسے عدّت میں رکھنا، ابتداء اسلام میں غیر حاملہ بیوہ کی عدّت سال بھر تھی، اور حاملہ کی عدّت وضعِ حمل۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ عرب کے لوگ اپنے مورث کی بیوہ کا گھر سے نکلنا عیب سمجھتے تھے، اور دوسرا نکاح کر لینا اس سے بڑا عیب

جانتے تھے۔ چنانچہ ہندوستان وغیرہ میں اب تک بیوہ عورتوں کے نکاح کو عیب سمجھا جا رہا ہے۔ لہٰذا اسلام نے گھر سے نکلنے یا دوسرا نکاح کرنے کی اجازت یک بیک نہیں دے دی۔ بلکہ تدریجاً پہلے اسے ایک سال تک روکا پھر چار ماہ دس دنوں کی قید لگائی تاکہ اہل عرب پر شاق اور بار خاطر نہ ہو۔ لہٰذا آیۂ مذکورہ میں بیویوں کے لئے جو وصیت کا ذکر ہے وہ آیۂ میراث سے منسوخ ہے اور سال بھر تک عدت میں جو بیٹھنے کا حکم ہے وہ سورۂ بقرہ کی آیت ۲۳۴ سے منسوخ ہے جس میں فرمایا گیا "وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا۔ (اور تم میں سے جو مر جائیں اور بیویاں چھوڑیں، وہ چار مہینے دس دن اپنے آپ کو روکے رہیں")

۴ :- وَالَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُکُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِیْبَهُمْ

(اور وہ جن سے تمہارا حلف بندھ چکا انہیں اُن کا حصہ دو")

وضاحت :- حلف کی صورت یہ ہوتی تھی کہ کوئی مجہول النسب آدمی کسی آدمی کو اپنا مولیٰ بنا لیتا یعنی وہ کہتا تھا کہ آج سے تو میرا مولیٰ ہے اگر میں مر جاؤں تو تو میرے متروکہ کا وارث ہوگا، اور اگر جیتے جی مجھ پر کوئی دیت لازم ہوگئی تو تو ہی اس کی ادائیگی کا ذمہ دار ہوگا" یہ عقد عام طور سے صحابۂ کرام میں رائج تھا اور وہ اس پر عامل بھی تھے، اسی طرح ہجرتِ مدینہ کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں رشتۂ مواخات اس قدر مستحکم ہوگیا کہ قریبی رشتہ ونسب پر اسے فوقیت دی جانے لگی اور ایک دوسرے کے وارث ہونے لگے جسے توارث بالہجرت کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے عقدِ موالات اور رشتۂ مواخات کو باقی رکھا، مگر متروکہ میں اس کا حصہ منسوخ فرما دیا۔ آیۂ مذکورہ میں جس حصہ کے دینے

کا حکم ہے وہ سورۂ انفال کی آیت ۷۵ سے منسوخ ہے جس میں ارشاد ہوا۔ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ کِتٰبِ اللّٰهِ" (رشتہ والے ایک دوسرے سے زیادہ نزدیک ہیں اللہ کی کتاب میں) ذوی الفروض کے ساتھ ذوی الارحام کا حقِ وراثت اسی آیۂ مبارکہ سے ثابت ہے۔

۵ :- یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِیْهِ. قُلْ قِتَالٌ فِیْهِ کَبِیْرٌ" (اے محبوب! تم سے پوچھتے ہیں ماہِ حرام میں لڑنے کا حکم، فرماؤ کہ اس میں لڑنا بڑا گناہ ہے" آیت ۲۱۷، بقرہ)

وضاحت :- حضور اکرم سیّد عالم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ماہِ جمادی الاُخریٰ میں مجاہدین کی ایک جماعت کو حضرت عبد اللہ ابن جحش کی سربراہی میں مشرکین کی سرکوبی کے لئے روانہ فرمایا، اور اس جماعت نے جمادی الاُخریٰ کے آخری دن مشرکین سے قتال کیا۔ حالانکہ ۲۹ جمادی الاُخریٰ کو رجب کا چاند ہوگیا تھا جس کا علم مجاہدینِ اسلام رضی اللہ تعالےٰ عنہم کو نہیں ہو سکا۔ چنانچہ مشرکین نے مسلم مجاہدین کو عار دلائی اور طعنہ دیا کہ تم لوگوں نے ماہِ حرام (رجب) میں قتال کر کے اس کی حرمت کو پامال کیا ہے لہٰذا تم لوگ مجرم ہو۔ اسی کے بعد حضور پرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں سوالات ہونے لگے کہ کیا حرمت والے مہینوں میں قتال کرنا حرام اور جرم ہے؟ اللہ کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ارشاد فرمایا کہ ہاں! حرمت والے مہینوں میں جنگ کرنا بہت بڑا گناہ اور حرمت کی پامالی کا سبب ہے، لیکن مجاہدینِ اسلام اس گناہ و جرم سے بری ہیں کیونکہ انہیں ماہِ رجب کے شروع

ہو جانے کا ثبوت ہی نہیں ملا، انہوں نے تو جمادی الاخریٰ میں قتال کیا۔ گناہ گار تو وہ جب ہوتے کہ ماہِ رجب کا چاند دیکھ لیتے یا اس کی رؤیت کا ثبوت انہیں مل جاتا پھر بھی وہ قتال کرتے۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا تو وہ گنہ گار و مجرم نہیں ہوتے۔

اس آیتِ پاک سے معلوم ہوا کہ ابتداءً حرمت والے مہینوں میں مشرکین کے ساتھ جنگ کرنا یا ان سے تعرض کرنا ناجائز و گناہ تھا، مگر یہ حکم "فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ" (الآیۃ ۵، التوبہ) سے منسوخ ہے جس میں حکم الٰہی ہے کہ "عہد شکن کافروں، مشرکوں کے ساتھ بے قیدِ زمان و مکان قتال کرو"۔

۶:۔ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ "، اور اگر تم ظاہر کرو جو کچھ (بدی) تمہارے جی میں ہے یا چھپاؤ، اللہ تم سے اس کا حساب لے گا۔ (آیۃ ۲۸۴، سورۃ بقرہ)

وضاحت:۔ انسان کے دل میں دو طرح کے خیالات آتے ہیں، ایک بطورِ وسوسہ، اور اس سے دل کی محافظت انسانی قدرت سے باہر ہے لیکن اگر اس وسوسہ کے اظہار یا اس پر عمل کرنے سے انسان اپنے آپ کو باز رکھتا ہے تو شرعاً اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ اور دوسرا خیال بطورِ عزم آتا ہے جس پر مواخذہ ہے، مثلاً کسی نے کفر کا عزم کیا تو اس پر کفر واقع ہو جائے گا۔ اور اگر کسی نے کسی گناہ کا عزم کیا پھر اسباب مہیا نہ ہونے کی وجہ سے اس کو عمل میں نہیں لا سکا تو جمہور کے نزدیک ایسے عزم پر بھی مواخذہ ہے۔ لیکن آیۃ مذکورہ میں مطلقاً خیالات پر پابندی ہے عام ازیں کہ وہ وسوسہ ہو یا عزم، اور یہ بات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر شاق گزری کیونکہ وسوسوں پر کنٹرول کرنا انسانی

بس سے باہر ہے، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خادموں کی اس مشقت کا احساس فرمایا تو ارشاد ہوا "لَا تَقُوْلُوْا كَمَا قَالَتِ الْيَهُوْدُ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَلٰكِنْ قُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا" (اے صحابیو! تم یہودیوں کی طرح "سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا"، مت کہو بلکہ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کہو کہ یہی فرمانبردار بندوں کا شیوہ ہے۔ مالک اپنے بندوں کا جو حساب چاہے لے اور جس سے چاہے درگزر فرمائے)۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے اپنے مقرب بندوں کا امتحان لے لیا تو حکمِ سابق کو منسوخ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: "لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا"، اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت بھر" (الآیۃ ۲۸۶، البقرہ) پھر فرمایا: "يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ" اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور دشواری نہیں چاہتا۔ (الآیۃ ۱۸۵، البقرہ)

لہٰذا آیتِ بالا کا عام حکم آخری دونوں آیتوں سے منسوخ ہے۔

۷:۔ وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ "اور تمہاری عورتوں میں جو بدکاری کریں" (الآیۃ ۱۵، النساء) پھر ارشاد ہوا "وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا، اور تم میں جو مرد و عورت ایسا کام کریں ان کو ایذا دو" (الآیۃ ۱۶، النساء)

وضاحت:۔ ان دونوں آیاتِ کریمہ میں بدکاروں (زناکاروں) کی سزا یا تو قید یا ایذا دینا مقرر کی گئی۔ اور ایذا سے مراد زناکار یا زناکارہ کو سختی سے جھڑک دینا یا دو چار طمانچے رسید کر دینا یا زیادہ سے زیادہ دو چار جوتی لگا دینا ہے۔ یہ حکم عرب کے عام معاشرہ کے پیشِ نظر دیا گیا تھا کہ یک بیک رجم یا دُرّوں کی سزا کے متحمل نہیں ہوتے۔ لہٰذا ابتداءً بدکاروں کو جھڑکنے اور دو چار تھپڑ مارنے کی سزا مقرر کی گئی پھر انہیں قید کی

سزا دی جانے لگی اور پھر جب وہ اسلامی آئین پر چلنے کے خوگر ہو گئے تو ان کے لیے حد مقرر کی گئی۔ یعنی غیر شادی شدہ آزاد مسلمان مرد یا عورت اگر زنا کا ارتکاب کرلیں تو انہیں سَو دُرّے لگائے جائیں، اور شادی شدہ اگر ایک بار بھی ہمبستر ہو چکے ہوں تو انہیں سنگسار کیا جائے "چنانچہ ارشاد ربانی ہے" اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ، بدکار عورت اور بدکار مرد میں سے ہر ایک کو سَو دُرّے لگاؤ! (الآیۃ ۲، النور) لہٰذا آیتِ نور کے حکم نے اگلے دونوں حکموں کو منسوخ کر دیا۔ لیکن یہ حکم حاکمِ اسلام کو ہے کہ جہاں اسلامی حاکم و حکومت ہے وہاں یہ قانون نافذ ہوگا۔ اور جہاں اسلامی حکومت نہیں وہاں اس حکم پر عمل کرنا متعذر ہے، عامۂ مسلمین کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اسلامی حدود کو غیر اسلامی حکومت میں از خود جاری کریں۔ واللہ اعلم۔

۸ :- فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ،
(تو اگر وہ تمہارے پاس حاضر ہوں تو اُن میں فیصلہ فرماؤ یا اُن سے منہ پھیر لو" آیۃ ۴۲، مائدہ)

وضاحت :- یہ آیتِ پاک یہودیوں کے حق میں نازل ہوئی کہ جب وہ اپنے مذہبی حاکموں کو رشوت دیتے دیتے تنگ آجاتے تو اپنے مقدموں کا فیصلہ چاہنے کے لیے مسلمانوں کے پاس یا پیغمبرِ اسلام علیہ التحیۃ والتسلیم کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت پاک میں اپنے محبوب کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو اختیار عطا فرمایا کہ جب کوئی اہلِ کتاب اپنا مقدمہ آپ کی خدمت میں پیش کرے تو اس کا فیصلہ فرمانے یا فیصلہ نہ فرمانے کا آپ کو اختیار ہے کیونکہ اگر آپ ان کے مقدموں کا فیصلہ نہیں فرماتے ہیں جب بھی وہ آپ کا یا مسلمانوں کا کچھ بگاڑ نہیں سکیں گے کہ آپ کی محافظت اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے۔

پھر اسلام کا غلبہ ہو جانے کے بعد حق تخییر کو حاکمیت سے منسوخ کر دیا گیا یعنی پیغمبرِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کے مقدمات کا بھی فیصل حاکم بنا دیا گیا۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے "فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ "، تو ان میں فیصلہ کرو اللہ کے اتارے (قرآن) سے اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا اپنے پاس آیا ہوا حق (قرآن) چھوڑ کر" (الآیۃ ۴۸، المائدہ) پھر ارشاد گرامی ہوا (وَاَنِ احْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ " اور یہ کہ اے مسلمانو! اللہ کے اتارے (قرآن) کے مطابق حکم کرو اور ان کی خواہشوں پر نہ چل اور ان سے بچتا رہ۔ الآیۃ ۴۹، المائدہ) آخری دونوں آیتوں سے جن میں فیصلہ دینے کا حکم دیا گیا ہے آیتِ اولیٰ کا اختیار (اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ) منسوخ ہے۔

حضرت سیدنا امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آیۃ تخییر کی منسوخیت کا انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ دونوں آیتیں مفید تخییر ہیں، ناسخِ تخییر نہیں کیونکہ حاکم صاحبِ اختیار ہوتا ہے لہٰذا دونوں آیتوں میں منافات نہیں۔ بلکہ ایک دوسری کی مؤید ہیں۔ پہلی آیت (فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ) میں اختیار حاکمیت کا ذکر ہے اور دوسری، تیسری آیتوں (وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ (الآیۃ) فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ (الآیۃ) وَاَنِ احْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ (الآیۃ) وغیرہا میں کیفیتِ حکم کا بیان ہے۔

۹ :- اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَیْرِكُمْ، یا غیروں میں کے دو (آیۃ ۱۰۶، مائدہ)

وضاحت :- ابتداءً حالتِ سفر وغیرہ میں ذمیوں کو گواہ بنا لینے کی اجازت تھی جیسا کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موالی نے

ملکِ شام کے سفر کے موقع پر جب ان کی طبیعت علیل ہوئی تو دو نصرانیوں (تمیم بن اوس اور عدی بن بدا) کو اپنے اموالِ تجارت اور دیگر سامان پر گواہ بنایا، اور آیتِ بالا سے غیروں کو گواہ بنانے کی رخصت نکلتی ہے۔ لیکن سورۃ طلاق کی دوسری آیت کے ذریعہ اِس اجازت ورخصت کو منسوخ فرمادیا گیا اور اب شہادت کا حق صرف اہلِ ایمان کو دیا گیا۔ حاکمِ حقیقی جل مجدہٗ کا حکم ہے (وَاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِیْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ، اور اپنے میں سے دو ثقہ کو گواہ کرلو اور اللہ کے لئے گواہی قائم کرو۔

(الآیۃ ۲، الطلاق)

۱۰ :۔ اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ الخ

(اگر تم میں کے بیس صبر والے ہوں گے دو سو پر غالب ہوں گے۔ الآیۃ ۶۵، الانفال)

وضاحت :۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ اور بشارت ہے کہ مسلمانوں کی جماعت اگر صبر سے کام لے تو دس گنے کافروں پر غالب رہے گی یعنی اگر دس مسلمان ہے تو سو کو، بیس ہے تو دو سو کو اور سو ہے تو ہزار کافروں کو شکست وریخت سے دوچار کردے گا۔ اور اس کی وجہ یہ بیان فرمائی گئی کہ مسلمانوں کی جنگ نفسانیات پر مبنی نہیں ہوتی بلکہ وہ حصولِ ثواب اور خوفِ عذاب کی وجہ سے جنگ کرتے ہیں جبکہ کفار ومشرکین حصولِ دنیا کے لئے جانوروں کی طرح لڑتے بھڑتے اور مرتے ہیں، بھلا وہ خلوص وللہیت کے ساتھ لڑنے والوں کا کیا مقابلہ کرسکیں گے۔ بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں پر فرض کردیا گیا کہ اگر وہ ایک ہیں تو دس کافروں کے مقابلہ سے اور دس ہیں تو سو کافروں کے مقابلہ سے نہ بھاگیں، اگر وہ بھاگیں گے، تو فرض کے تارک ہوں گے۔ چنانچہ مسلمانوں کا اس پر عمل رہا۔ پھر مسلمانوں کو

خوف ہوا کہ اگر کسی موقع پر دس گنے کافروں کے مقابلہ میں ہمارے قدم پھسل گئے اور ہم خدانخواستہ ہمت ہار گئے تو فرض کے تارک ہوکر عنداللہ ماخوذ ہوں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے قوائے ظاہری پر رحم فرماتے ہوئے دس گنے کے مقابلہ میں جمے رہنے کی فرضیت کو منسوخ فرمادیا۔ ہاں دو گنے کے مقابلہ سے بھاگنے کو ممنوع اور ہمتِ مسلمانی کے خلاف رکھا گیا۔ چنانچہ آیۂ مذکورہ کے بعد ہی ارشاد ہوا (اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِیْكُمْ ضَعْفًا. فَاِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ یَّغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ. اب اللہ نے تم پر سے تخفیف فرمائی اور اسے علم ہے کہ تم کمزور ہو، تو اگر تم میں سو صبر والے ہوں (تو وہ) دو سو پر غالب آئیں گے۔ الآیۃ ۶۶، الانفال) یہ آیت آیتِ ناسخہ ہے آیتِ اولیٰ کے لئے۔

۱۱ :۔ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ. کوچ کرو ہلکی جان سے چاہے بھاری دل سے اور اللہ کی راہ میں لڑو اپنے مال اور جان سے۔ (الآیۃ ۴۱، التوبہ)

وضاحت :۔ جہاد فرض ہوجانے کے بعد ہر مسلمان کو عام ازیں کہ وہ امیر ہو یا غریب، طاقتور ہو یا کمزور، ساز وسامان والا ہو یا بے سروسامان، میدانِ جہاد میں جانا پڑتا تھا خواہ اپنی خواہش سے یا گرانی سے۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر ہر کلمہ گو سے فرضیتِ جہاد کا بڑا زبردست امتحان لیا گیا جس میں صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے جہاد کے جذبۂ صادقہ اور جوہرِ ایمان کی تابانی نکھر کر سامنے آگئی اور ساتھ ہی ساتھ مارِ آستین گروہِ منافقین کا نفاق بھی طشت از بام ہوگیا۔ اور ایمان ونفاق کا فرق کھل کر سامنے آجانے کے بعد پھر عمومی حکم مذکور کو منسوخ فرمادیا گیا، اور اس حکم کو منسوخ کرنے والی متعدد آیتیں ہیں جن کو آیاتِ عذر کہتے ہیں۔ مثلاً

(لَیْسَ عَلَی الْاَعْمٰی حَرَجٌ: نابیناؤں کو جہاد میں شریک نہ ہونے پر کوئی حرج نہیں) اور (لَیْسَ عَلَی الضُّعَفَآءِ، کمزوروں پر بھی کوئی حرج نہیں اگر وہ جہاد میں شریک نہ ہوسکیں۔) پھر فرمایا (وَلَا عَلَی الْمَرْضٰی وَلَا عَلَی الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ مَا یُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ، اور کوئی حرج نہیں بیماروں پر اور نہ ان پر جنہیں خرچ کا مقدور نہ ہو۔ ،، الآیہ ۹۱، التوبہ) گویا آیاتِ عذر سے پہلی آیت کا حکم عام منسوخ ہے، علاوہ ازیں اسی سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۱۲۲ میں ارشاد ہوا (وَمَا کَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِیَنْفِرُوْا کَآفَّۃً، اور مسلمانوں سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب کے سب نکلیں۔) علمائے محققین نے آیات عذر کے علاوہ اس آیت کو آیتِ اولیٰ کے حکم عام کو ناسخ مانا ہے۔

۱۲: ۔ اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوْ مُشْرِکَۃً۔ وَالزَّانِیَۃُ لَا یَنْکِحُهَا اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ وَحُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ)

الآیہ ۳۔ بدکار مرد نکاح نہ کرے مگر بدکار عورت یا مشرکہ سے، اور بدکار عورت نکاح نہ کرے مگر بدکار مرد یا مشرک، اور یہ کام ایمان والوں پر حرام ہے ،، آیہ ۳، النور)

وضاحت :۔ کند ہم جنس باہم جنس پرواز
کبوتر با کبوتر، باز با باز!

نیکوں کی رغبت بدکاروں اور خبیثوں کی جانب نہیں ہوتی ۔۔ بلکہ خبیث لوگ ہی خبیث کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ اسی طرح جس مسلمان کے دل میں ایمانی جذبہ بیدار ہے وہ کسی مشرکہ سے نکاح کے لئے آمادہ نہیں ہوگا خواہ وہ مشرکہ یہودیہ کہلاتی ہو یا نصرانیہ۔ بعض مہاجر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو مدینہ طیبہ میں نہایت عسرت و تنگدستی کی زندگی گذار رہے تھے، انہیں خیال آیا کہ اگر یہاں کی مالدار مشرکہ عورتوں سے نکاح کر لیا جائے تو وہ بدکاریوں سے بھی باز آجائیں گی۔ ممکن ہے برضا و رغبت اسلام بھی قبول کر لے۔ اور

پھر اس کی دولت سے ہماری فاقہ مستی کا علاج بھی ہونے لگے گا۔ چنانچہ انہوں نے بارگاہ رسالت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے اجازت طلب کی، اسی سوال کے پس منظر میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور انہیں ایسے اقدام سے روک دیا گیا۔

مشرکہ کی طرح زانیہ عورتوں سے بھی نکاح کرنا ابتداءً اسلام میں حرام تھا۔ لیکن بعد میں (وَاَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ ،، اور ان کا نکاح کر دو جو بے نکاح ہوں اپنوں سے ،، الآیہ ۳۲، النور) سے وہ حکم منسوخ ہو گیا کیونکہ اس آیت میں بے نکاح کو عام رکھا گیا۔ عام ازیں کہ وہ شادی شدہ ہوں، یا غیر شادی شدہ، مرد ہوں یا عورت، تقویٰ شعار ہوں یا گنہگار۔

۱۳: ۔ لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَکَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَکَتْ یَمِیْنُکَ ،

ان (موجودہ بیویوں) کے بعد دیگر عورتیں تمہیں اے محبوب حلال نہیں۔ اور نہ یہ کہ ان کے عوض دوسری بیویاں بدلو اگرچہ تمہیں ان کا حسن بھائے۔ مگر کنیز تمہارے ہاتھ کا مال ہیں ،، الآیہ ۵۲، الاحزاب)

وضاحت :۔ قرآنِ عظیم کا یہ حکم خاص حضور سید کائنات علیہ افضل الصلوات کے حق میں نازل ہوا۔ اس آیت کریمہ کے نزول کے وقت سید الانبیاء والمرسلین علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے عقد نکاح میں نو بیویاں تھیں اور سبھوں نے اللہ ورسول (جل وعلیٰ، وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی رضا و خوشنودی کے لئے اپنے مطالبات وخواہشات کو قربان فرما دیا تھا۔ لہٰذا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اخیر تک انہی بیویوں پر اکتفا فرمایا نہ تو ان میں سے کسی کو طلاق دیا اور نہ کوئی دوسرا نکاح فرمایا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ:

"اخیر عمر شریف میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے دیگر عورتوں سے بھی نکاح حلال ہوگیا تھا لیکن آپ نے نکاح نہیں فرمایا۔" اس تقدیر پر اس آیتِ پاک کا دونوں حکم (تزویج و تبدیل) منسوخ ہے۔ اور اس کا ناسخ سورۂ احزاب ہی کی آیت ۵۰ ہے۔ ارشاد ہوا "یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِیْۤ اٰتَیْتَ اُجُوْرَهُنَّ" "اے چھپی ہوئی باتوں کی خبر دینے والے! ہم نے تمہارے لئے حلال فرمادیں اُن بیویوں کو جنہیں تم مہر دیدو" یہاں مہر کا بیان شرطِ حلت یا تنفیذِ نکاح کے لئے نہیں بلکہ فضیلت و اولویت کیلئے ہے۔

۱۴:۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً

"اے ایمان والو! جب تم رسول سے کوئی بات تنہائی میں کرنا چاہو تو اپنی عرض سے پہلے کچھ صدقہ دے لو" (آیۃ ۱۲، سورۃ مجادلہ)

وضاحت:۔ بارگاہِ رسالت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں جب اغنیاء نے عرض و معروض کا سلسلہ دراز کیا تو فقراءِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اپنی عرضی پیش کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ لہٰذا بارگاہِ رسالت میں باریابی کی اہمیت اور نفعِ فقراء کو سامنے رکھتے ہوئے یہ حکم دے دیا گیا کہ رسولِ گرامی وقار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمتِ عالیہ میں کوئی عرض و سرگوشی پیش کرنے سے پہلے حسبِ استطاعت کچھ صدقہ نکال دیا کرو! لیکن یہ حکم بعض صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر گراں گزرا جس کا عملی اظہار ابھی نہیں ہونے پایا تھا کہ حکمِ مذکور کو منسوخ فرما دیا گیا۔ ارشاد ہوا: (ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ، الآیۃ ۱۳، سورۃ المجادلۃ)

"کیا تم اس سے ڈرے کہ تم اپنی عرضی سے پہلے کچھ صدقے دو، پھر جب تم نے یہ نہ کیا تو اللہ نے تمہیں معاف فرمایا۔"

نوٹ:۔ مفسرین کرام نے فرمایا کہ صدقہ دینے کے حکم پر صرف حضرت سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو عمل کرنے کا موقع ملا کہ انہوں نے ایک دینار صدقہ فرمایا پھر اپنے نبی محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے دس سوالات عرض کرکے جوابات سے سرفراز ہوئے۔ اس کے بعد حکمِ مذکور منسوخ ہوگیا۔

۱۵:۔ فَاٰتُوا الَّذِیْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَاۤ اَنْفَقُوْا

"تو جن کی عورتیں جاتی رہیں انہیں مالِ غنیمت میں سے اتنا دے دو جو انہوں نے خرچ کیا تھا" (الآیۃ ۱۱، الممتحنہ)

وضاحت:۔ ہجرتِ مدینہ کے بعد کئی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی بیویاں مکہ ہی میں رہ گئیں جو اس وقت دارالحرب تھا۔ اور کچھ ایسی عورتیں بھی تھیں جو مرتد ہوگئیں۔ پھر ان کے شوہروں کو حکمِ الٰہی ہوا کہ جو بیویاں بغیر کسی مجبوری کے مکہ میں ٹھہر گئیں یا مرتد ہوگئیں ان سے زوجیت کا علاقہ نہ رکھیں۔ چنانچہ اس حکمِ الٰہی کے نازل ہوتے ہی صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنی ان بیویوں کو طلاق دے دی۔ اس کے بعد یہ حکم نازل ہوا کہ تمہاری مطلقہ یا مرتدہ عورتوں سے جن کافروں نے نکاح کرلیا ہے ان کافروں سے اپنے اُن اخراجات کو وصول کرلو جو تم نے ان عورتوں پر کیا تھا۔ اور کافروں کی وہ عورتیں جو ان سے علاقۂ زوجیت توڑ کر ایمان سے مشرف ہوکر مدینہ منورہ میں آبسیں اور پھر تم نے ان سے نکاح کرلیا ان کے سابق شوہروں کو ان کے اخراجات دیدو "وَاسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقْتُمْ وَلْیَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقُوْا" پھر یہ بھی حکم ہوا کہ اگر مسلمانوں کے اخراجات کو کفار پورا نہ کریں تو مالِ غنیمت میں سے ان کے خرچ کا معاوضہ دے دیا جائے۔ آیتِ مذکورہ بالا میں اس آخری شق کو

بیان فرمایا گیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ہجرت کرنیوالے مسلمانوں کی عورتوں میں سے چھ عورتیں ایسی تھیں جنہوں نے دار الحرب (مکہ شریف) کو اختیار کیا اور مشرکین کے ساتھ لاحق ہو کر مرتدہ ہو گئیں۔ حضور سرور کائنات علیہ التحیۃ والتسلیمات نے ان کے شوہروں کو مالِ غنیمت سے ان کے مہر اور ضروری اخراجات عطا فرمائے۔ پھر جب آیتِ سیف فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ، اب مشرکوں کو مارو جہاں پاؤ انہیں پکڑو اور قید کرو، اور ہر جگہ ان کی تاک میں بیٹھو۔ (الآیۃ ۵، التوبہ) نازل ہوئی تو مذکور بالا تمام احکام جو آیت بالا سے متعلق تھے منسوخ ہو گئے۔ بعض علمائے محققین نے فرمایا کہ احکامِ مذکورہ آیتِ غنیمت سے منسوخ ہوئے ہیں، اور بعضوں نے کہا ہے کہ سنت سے۔ واللہ اعلم!

۱۶ :- فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ "پس اپنے رب کے حکم کا انتظار کر، اور مچھلی والے کی طرح نہ ہونا" (الآیۃ ۴۸، القلم)

وضاحت :- کفار و مشرکین جنہوں نے آیاتِ الٰہیہ کو جھٹلایا مسلمانوں کو اذیتیں دیں اور پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کو طرح طرح سے ستایا۔ ان کی ناروا حرکتوں اور ریشہ دوانیوں پر حضور پُرنور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صبر فرمانے کا حکم دیا جا رہا ہے اور دعائے عذاب سے روکا جا رہا ہے کہ کہیں مسلمانوں کی جانکاہ مصیبتوں کو دیکھ کر آپ کے ہاتھ کافروں پر دعا کے لئے نہ اٹھ جائیں۔ پھر جب آیتِ قتال (آیۃ ۵، توبہ) نازل ہوئی تو ان کی ایذا رسانیوں اور ریشہ دوانیوں کا جواب صبر و ضبط نہیں رہا، بلکہ مسلمانوں کو دو بدو جواب دینے کا موقع مل گیا تو گویا آیتِ قتال حکمِ صبر کا ناسخ ہے اور فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ

منسوخ ہے جیسا کہ محققین نے فرمایا۔

۱۷-۱۸ :- يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ اللَّيْلَ "اے جھرمٹ مارنیوالے! رات میں قیام کیجئے" (الآیات ۱-۲، المزمل)

وضاحت :- مُزَّمِّل یعنی ردائے نبوت و رسالت کے حامل تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے اور آپ ہی اس عطائے ربانی اور ندائے محبوبی کے مخاطب ہیں۔ لیکن حکم قیام آپ کے غلاموں یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی ہے۔ چنانچہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بھی قیام فرماتے تھے، اور قیام اللیل کے مقدار میں اختیار دیا گیا تھا کہ خواہ آدھی رات قیام کریں خواہ آدھی رات سے کچھ کم و بیش۔ لیکن آدھی رات یا کچھ کم و بیش کا تعین بعض صحابۂ کرام کے لئے خاصا دشوار ہو گیا لہٰذا اس اندیشہ سے کہ کہیں قدر واجب (یا فرض) سے قیام کم نہ ہو جائے اکثر صبح تک قیام فرماتے جس کی وجہ سے ان کے پاؤں سوج جایا کرتے اور دن کو کام کرنے میں تکلیف ہوتی۔ مکی زندگی میں ایک سال تک عبادتِ ربانی کا یہی طریقہ رہا جس پر اپنے نبی محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کاربند رہے۔ پھر "فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ" یعنی اب قرآن میں سے جتنا تم پر آسان ہو اتنا ہی پڑھو۔ (الآیۃ ۲۰، المزمل) سے قیام اللیل کی قید اٹھالی گئی۔ یعنی شب کا قیام جو واجب اور بقول بعض فرض تھا معاف فرما دیا گیا۔ اور قرآن کی تلاوت میں بھی اختیار دیا گیا کہ جس قدر چاہیں پڑھیں۔ ائمہ اسلام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قرأت مفروضہ کا اقل درجہ ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیتیں ہیں۔ اس سورۂ کریمہ کی ابتدائی آیتیں قیامِ شب کو واجب یا فرض کرنے والی ہیں اور آخری

آیت اس کا ناسخ ہے۔ پھر جب نماز پنجگانہ فرض ہوئی تو اس آخری آیت کا عمومی حکم بھی منسوخ ہوگیا۔ البتہ اس سے نمازوں میں مطلق قرآت کی فرضیت ثابت ہوگئی۔ ثُمَّ نَسَخَ الْاٰخِرَ بِالصَّلٰوٰتِ الْخَمْسِ (الاتقان)

بعض علمائے اسلام رحمہم اللہ تعالٰے علیہم نے فرمایا کہ اس سورۂ کریمہ کی دوسری آیات کا حکم مثلاً "وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا" الآیۃ ۔ وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِي النَّعْمَةِ" الآیۃ اور "فَمَن شَاءَ اتَّخَذَ" ایۃ ۱۹ آیتِ سیف "فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ" الآیۃ اور "وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ" الآیۃ ۳۰ الدہر سے منسوخ ہیں۔

۱۹:۔ لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ "(ان کافروں پر اے محبوب تم بالجبر دین تھوپنے والے تو نہیں ہو) الآیۃ ۲۲، الغاشیہ)

وضاحت:۔ سورۂ غاشیہ میں اللہ تعالٰی نے بے ایمان اہلِ کتاب راہب عاملوں اور بُت پرست سناسیتوں کیلئے جہنم کے طرح طرح کے عذاب کو بیان فرمایا اور ان کے مقابلہ میں اہلِ ایمان اطاعت شعاروں کیلئے جنت کی نوع بنوع نعمتوں کا ذکر فرمایا جن کو سنکر کفار و مشرکین کو سخت اچنبھا ہوا اور انہوں نے بجائے غور و فکر کرنے کے ان نعمتوں کا کھلم کھلا انکار کردیا بلکہ جھٹلایا تو اللہ تعالٰی نے دنیاوی صنعتوں اور ان کے عجائب میں انہیں فکر و نظر کی ہدایت فرمائی۔ تاکہ وہ اپنے ہی دیار کے اونٹوں کی خلقت، آسمانوں کی بے ستونی رفعت، پہاڑوں کی دیوہیکل بناوٹ اور زمین کی حیران کن سطحیت کو غور سے دیکھیں اور سمجھیں کہ جس قادرِ حقیقی نے ایسی عجیب و غریب چیزیں پیدا کی ہیں اس کی قدرت سے کوئی بعید نہیں کہ جنت کی ان نعمتوں کو پیدا فرمائے جن کا ذکر اس سورت پاک میں ہے۔ لیکن ان کفار و مشرکین نے بجائے غور و فکر کرنے کے ہنسی اڑائی۔ لہٰذا ارشاد ہوا کہ "اے محبوب! آپ

ملول خاطر نہ ہوں کیونکہ ان کے راہِ راست پر آنے کی ذمہ داری آپ پر نہیں، آپ تو ان کے ناصح و مذکر ہیں اور نصیحت و ذکر کی ذمہ داریوں کو آپ ہر طرح پوری کرچکے اور پوری کر رہے ہیں۔ ہاں اگر ان سے دینِ حق کے منوا لینے کی ذمہ داری آپ پر ہوتی اور نہ ماننے کی صورت میں کوڑے برسانے اور سزائیں دینے کیلئے آپ کو بھیجا گیا ہوتا تو آپ کا ملول خاطر ہونا بجا تھا لیکن جب آپ کا یہ منصب نہیں تو رنجیدہ دل ہونا آپ کے شایانِ شان ہی نہیں۔ ان کو مجھ پر چھوڑ دیجئے میں انہیں دنیاوی مزہ بھی چکھاؤں گا اور عذابِ اکبر کا بھی ایندھن بناؤں گا۔ پھر جب آیتِ قتال نازل ہوئی تو ان کو دنیوی مزہ چکھانے کا وقت آگیا اور آیتِ بالا کا مضمون منسوخ ہوگیا۔

۲۰:۔ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ، "تو تم جدھر منہ کرو ادھر وجہُ اللہ ہے" (الآیۃ ۱۱۵، البقرہ)

"وَجْہُ اللہ" سے مراد "اللہ تعالٰے کی خوشنودی و رضا" ہے۔ کہ وہ انسانی سمجھ کے "وجہ و ید" سے پاک و منزہ ہے۔ آیتِ مذکورہ کا مفاد یہ ہے کہ اگر جہتِ قبلہ مشتبہ ہو جائے تو تحری کے ساتھ ہر طرف قبلہ ہے، جدھر دِل جمے، پہنچ کر کے نماز پڑھ لو۔ یا سواری پر نفل نمازیں پڑھ رہے ہو تو سواری کا رخ جدھر چاہے ہو جائے نماز کی صحت میں کوئی فرق نہیں آئے گا کہ جدھر رُخ کرو ادھر ہی وجہُ اللہ ہے۔ اور حالتِ دعا، (جو مغزِ عبادت ہے) میں بھی جدھر چاہو رخ کرو ادھر ہی رضائے الٰہی ہے بلکہ بالجماعت نمازوں کے بعد جو دعا ہوتی ہے اسمیں امام کا انصراف عَنِ القبلہ خواہ یمیناً ہو یا شمالاً سنتِ نبوی سے ثابت ہے۔ مگر عام حالتِ نماز میں خواہ وہ نماز فرض و واجب ہو یا سنت و نفل۔ جہتِ قبلہ کی طرف ہی رخ کرنا صحتِ نماز کے لئے شرط ہے لہٰذا آیت مذکورہ کے مفہوم کو اگر حالت نماز پر محمول کریں تو

بقول حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما وہ منسوخ ہے۔ اور اس کا ناسخ اسی سورۂ کریمہ کی آیت نمبر ۱۴۴ ہے جس میں ارشاد ہوا۔ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۔ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهٗ ۔ اے محبوب! اپنا چہرہ پھیر دو مسجد حرام کی طرف۔ اور اے مسلمانو تم جہاں کہیں ہو اپنا چہرہ اسی کی طرف کرو۔ (الآیۃ نمبر ۱۴۴، البقرۃ)

مذکورہ بیس ۲۰ آیتوں کے احکام اکثر علمائے محققین کے نزدیک منسوخ ہیں جیسا کہ بالتفصیل لکھا گیا۔ اور ان تفصیلوں سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ آیاتِ ناسخہ کا نزول آیاتِ منسوخہ کے بعد ہے۔ لیکن پورے قرآنِ عظیم میں دو مقامات پر آیاتِ ناسخہ آیاتِ منسوخہ سے پہلے ہیں۔ نمبر ۱ عدتِ بیوگان جو سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۴۰ کے مطابق ایک سال تھی اسی کو آیت نمبر ۲۳۴ سے منسوخ کر دیا گیا۔ نمبر ۲ لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ الخ جو سورۂ احزاب کی آیت نمبر ۵۲ ہے اس کا حکم اسی سورہ کی آیت پاک نمبر ۵۰ سے منسوخ ہے۔

قرآن مجید میں ایک آیت کریمہ ایسی بھی ہے جس نے اہلِ علم و اہلِ عقل کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے کہ چند جملوں پر مشتمل آیۂ کریمہ کا اول بھی منسوخ ہے اور آخر بھی۔ مگر درمیانی حصہ محکم ہے، ارشاد ہے خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ اس آیت کا اول خُذِ الْعَفْوَ آیتِ زکاۃ سے منسوخ ہے اور آخر وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ آیۂ سیف سے۔ لیکن درمیانی حکم وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ محکم ہے کہ .... جس کی مؤید بیشمار آیتیں ہیں۔

اور اس سے بھی زیادہ عجیب و حیرت زدہ کر دینے والی وہ آیۂ کریمہ ہے جس کا اول منسوخ ہے اور آخر ناسخ۔ اِرشاد ہے عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۔ تم اپنی فکر رکھو، تمہارا کچھ نہ بگاڑے گا جو گمراہ ہوا جبکہ

تم راہ راست پر ہو۔ (الآیۃ ۱۰۵، المائدہ)

جب اہل ایمان کو اپنی ہی فکر دامن گیر ہوگی تو وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیونکر کر سکے گا اور گمراہ و بددین ضرر پہنچانے کی کوشش اسی وقت کریں گے جب انہیں بھلائی کا حکم دیا جائے گا، اور برائی سے روکا جائے گا۔ اور اپنی فکر رکھنے کا اصل مقصد تو یہی ہے کہ دوسروں کو بھی برائی سے روکا جائے اور بھلائی کا حکم دیا جائے۔ لہٰذا پہلا حکم کہ مجرد اپنی ہی فکر ہو، منسوخ ہے دوسری خبر سے۔

انتباہ — کسی عالم کا یہ کہہ دینا کہ فلاں آیت ناسخ اور فلاں آیت منسوخ ہے قابل اعتماد نہیں بلکہ مفسرین کرام اور مجتہدین عظام رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم کا بھی بغیر کسی سند صحیح کے یہ فرمانا کہ یہ آیت ناسخ اور یہ آیت منسوخ ہے شرعاً نامقبول و ناممنوع ہے۔ بلکہ نسخِ قرآن (خواہ کسی قسم کا ہو) کے لئے ضروری ہے کہ اس کے ناسخ و منسوخ ہونے کی روایت نقلِ صحیح و صریح کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہنچتی ہو یا کسی صحابی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے منقول ہو کہ فلاں آیت منسوخہ ہے اور فلاں آیت ناسخہ ہے۔ کیونکہ نسخ میں صرف نقلِ صحیح اور تاریخ آیاتِ مقدمہ و مؤخرہ پر اعتماد کیا جاتا ہے اس میں کسی کی رائے اور اجتہاد کو دخل نہیں ہے۔

قسم ثامن

قرآن مجید کی بعض آیتیں مخصوص اور مستثنیٰ ہیں جن کو بعض علماء محققین نے ناسخات میں شمار فرمایا ہے جن کی مثالیں یہ ہیں۔

۱:۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِئِيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ

وَلَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ (الآیۃ ۶۲، البقرہ) ترجمہ:۔ بیشک ایمان والے اور یہودیوں اور نصرانیوں اور ستارہ پرستوں میں سے وہ جو کہ اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائیں اور نیک کام کریں تو انکا ثواب انکے رب کے پاس ہے۔ اور نہ انہیں کچھ اندیشہ ہے اور نہ غم۔"

اس آیتِ مقدسہ کی تلاوت کے بعد سرسری طور پر یہ مفہوم ذہن میں آتا ہے کہ اہلِ ایمان اور یہود و نصاریٰ نیز ستارہ پرستوں کی ایمان و عمل کے اعتبار سے ایک ہی حیثیت ہے۔ مگر فی الحقیقت ایسا نہیں ہے کیونکہ اس عام مفہوم کو دوسری آیۂ کریمہ نے خاص کر دیا ہے جس میں ارشاد ہے:۔ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔" اور جو اسلام کے سوا کوئی دین چاہے گا وہ ہرگز اس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور وہ آخرت میں زیاں کاروں سے ہے۔ (آیۃ ۸۵، سورہ بقرہ)

اس آخر الذکر آیتِ کریمہ نے اوّل الذکر آیتِ کریمہ کے مفہوم کو خاص کر دیا لہٰذا اول الذکر آیۂ کریمہ کو مطلقاً دلیل میں پیش نہیں کیا جا سکتا ہے کہ اس کا مفہوم مستثنیٰ ہو چکا۔

۲:۔ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا (الآیۃ ۸۳، البقرۃ) ترجمہ:۔ اور لوگوں سے اچھی بات کہو۔" یقیناً مسلمانوں کو حکم ہے کہ لوگوں کے ساتھ حسنِ خُلق سے پیش آؤ اور نرمی سے باتیں کرو لیکن اگر "لِلنَّاسِ" سے مراد کفار و مشرکین کے گروہ ہیں یا یہ ارشاد بنی اسرائیل سے لئے ہوئے وعدہ کی حکایت ہے تو یہ آیتِ سیف سے مخصوص و مستثنیٰ ہے جس میں ارشادِ گرامی ہے:۔ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ۔ (الآیۃ ۵، التوبہ) ترجمہ:۔ تو مشرکوں کو مارو جہاں پاؤ اور انہیں پکڑو اور قید کرو اور ہر جگہ ان کی تاک میں بیٹھو۔" آخر الذکر آیتِ کریمہ نے اوّل الذکر آیۂ کریمہ کے حکم کو خاص کر دیا لہٰذا "لِلنَّاسِ" کے عموم کو

اب بطور دلیل کے پیش نہیں کیا جا سکتا ہے کہ وہ مخصوص و مستثنیٰ ہو چکا۔

آخر الذکر آیۂ سیف یا آیتِ قتال نے قرآنِ عظیم کی بہت آیات کے مفہوم کو منسوخ یا مخصوص کر دیا ہے لہٰذا تالیِ قرآن کو قرآنِ عظیم پڑھتے اور سمجھتے وقت اس آیتِ سیف کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے تاکہ کسی آیت کے مفہوم سے اس کا ٹکراؤ نہ ہو۔ اور اگر کسی آیت کے معنیٰ یا مفہوم سے یہ آیت ٹکراتی ہے تو اسی کا حکم باقی و ناسخ رہے گا کیونکہ یہ سورہ کریمہ سوائے سورۃ نصر کے سب سے آخر میں نازل ہوئی ہے اور آخری آیت ہی اوّل کے مقابلہ میں ناسخ یا مخصّص ہوتی ہے۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ قرآنِ عظیم کی اڑتالیس ۴۸ سورتوں میں ایک سو چودہ مقامات پر "اِعراض عن المشرکین" (مشرکین سے درگذر کرنے) کا حکم ہے، اور وہ سارے مقامات اسی آیتِ سیف سے منسوخ یا تو مستثنیٰ ہیں۔ مثلاً" لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ۔ (الآیۃ۔ البقرہ) فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ (النسآء) ثُمَّ ذَرْهُمْ، قُلِ انْتَظِرُوْا۔ وَاَعْرِضْ (الانعام) وَاَعْرِضْ۔ وَاُمْلِيْ لَهُمْ (الاعراف) ذَرْهُمْ، فَاصْفَحْ، وَاَعْرِضْ (الحجر) فَذَرْهُمْ، اِدْفَعْ (المومنون) وَدَعْ اَذٰهُمْ (الاحزاب) فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ، يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا (الزمر) وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ، فَاِنْ اَعْرَضُوْا (حمعسق) وَاهْجُرْهُمْ، وَذَرْنِيْ۔ (المزمل) لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ، (الکافرون) وغیرہا۔

۳:۔ ایک غلط فہمی کا اِزالہ:۔ بعض حضرات متعہ کے جواز کے قائل بلکہ اس کی فضیلتوں کو بیان کرتے اور دلیلِ جواز میں سورۃ نساء کی یہ آیت پیش کرتے ہیں:۔ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً۔ (الآیۃ ۲۴، النسآء) اور متعہ کا معنی یہ بیان کرتے ہیں کہ "جس

منکوحہ و غیر منکوحہ عورت سے چاہے ایک قمیص، اِزار اور چادر کے بدلے یا اُس کی قیمت کے عوض اپنی نفسانی خواہشات کی وقتِ مقررہ تک تکمیل کرتے رہنا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ!

اتفاق سے یہ نظریہ ان لوگوں کا ہے جو کلمۂ اسلام کے دعویدار ہیں اپنے کو سب سے اونچی سوسائٹی والے، تعلیم یافتہ اور مہذب سمجھتے ہیں۔ انہیں اِس سے کوئی مطلب نہیں کہ اِس نظریہ کی زد پر کتنی بہو بیٹیوں کی چادرِ عصمت ہے۔ کیونکہ ایسا نظریہ رکھنے والے نفسانی خواہشات کے ہاتھوں مغلوب ہو چکے ہیں، جب خود ان کی بہو بیٹیاں اس فضیلت کو حاصل کرنے کے لئے آگے بڑھیں گی تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ تمتع اور اِستمتع کا معنیٰ وقتی فائدہ اٹھا لینا نہیں ہے بلکہ آسودگی کے ساتھ مدت تک ایک اچھی معاشرت کے لئے فائدہ اٹھانا ہے جس میں وقت و زمان کی کوئی قید نہیں ہے اور نکاح کا یہی مفہوم ہے۔ اِسی لئے اہلِ بصیرت بزرگوں نے آیۂ مذکورہ کا ترجمہ یہ فرمایا؛ "تو جن عورتوں کو نکاح میں لانا چاہو، ان کے مقررہ مہر انہیں دو" پھر اگر آیت مذکورہ کے سیاق و سباق پر نظر کی جائے تو شیعی نظریۂ متعہ یہاں متصور ہی نہیں ہے۔ کیونکہ آیۂ مذکورہ سے کئی آیت پہلے اور کئی آیت بعد تک مسلسل نکاح اور محرمات و محللات کا بیان ہے، جب نکاحِ مطلق اسلامی کا بیان اوّل سے ہوتا آ رہا ہے اور آیت مذکورہ کے بعد تک جاری ہے تو اِس تمتع اور اِستمتع کا معنیٰ بھی اسی نکاح سے ہے جس کے بعد بیوی شوہر کے مالِ متروکہ میں چوتھے یا آٹھویں حصے کا حقدار ہو جاتی ہے اور اس حصے کا حق اُسے منجانب اللہ حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن وہ نکاحِ شیعی بھی عجیب ہے جس کے بعد منکوحہ کو چند

پارچوں یا ٹکوں کے علاوہ کچھ نہیں ملتا۔ معلوم ہوا کہ یہ نکاح دراصل نکاح ہی نہیں ہے جس کو وہ متعہ کا نام دیتے ہیں، اور اپنے ماحول و ملک میں اسے جاری کئے ہوئے ہیں کہ انسانیت کے ماتھے پر ایک بدنما داغ ہے، ظلم بالائے ظلم یہ ہے کہ یہ ظالم اپنے اس ننگِ اسلام رواج کی اباحت و جواز کا اِلزام حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما پر لگاتے ہیں۔ حالانکہ آپ نے کبھی بھی مطلقاً اس کی اباحت کا قول نہیں فرمایا۔ بلکہ جب آپ سے متعہ کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نہایت غیض و غضب کے ساتھ کھڑے ہو گئے اور ارشاد فرمایا "اِنَّ الْمُتْعَةَ كَالْمَيْتَةِ وَالدَّمِ وَلَحْمِ الْخِنْزِيْرِ" (کہ متعہ تو مردار جانور، بہتا خون اور خنزیر کے گوشت کے مانند ہے۔) اور ظاہر ہے کہ اُن کی حرمت قرآن مجید میں مصرح ہے۔ پھر کوئی بے حیا ہی ہوگا جو متعہ کی اباحت کا قول حضرت والا سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی جانب منسوب کرے گا۔

اور اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حالتِ اِضطرار میں کسی کے لئے اس کے جواز کا فتویٰ دیا گیا تھا تو وہ اِرشادِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد منسوخ و مُسترد ہو گیا۔ "اَلَا وَاِنَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ قَدْ حَرَّمَاهَا اَلَا فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ" خبردار! اللہ و رسول نے متعہ کو حرام فرما دیا تو حاضر باشوں کو چاہیئے کہ یہ حکم غائبوں تک پہنچا دیں۔"

علامہ حزم اندلسی نے فرمایا کہ اگر کوئی آیتِ مذکورہ ۲۴ النسآء کا ترجمہ مطلقاً متعہ کرتا ہے تو وہ اس حدیث پاک سے منسوخ ہے"، مگر افسوس ہے شیعہ مذہب کے ائمہ و علماء پر جنہوں نے واضح ممانعت کے باوجود اسی آیتِ کریمہ کو متعہ کے جواز کی بنیاد بنایا اور اسکی فضیلتوں

گویا ن کیا یہاں تک کہ شیعوں کا مشہور امام جعفر طوسی اپنی کتاب "تہذیب الاحکام" صفحہ ۲ میں رقمطراز ہے "لَا بَأْسَ بِالتَّمَتُّعِ بِالْهَاشِمِيَّةِ" کہ ہاشمی خاندان کی خواتین کے ساتھ بھی تمتع کرنے میں کوئی حرج نہیں "العیاذ باللہ تعالیٰ! شیعوں کے نزدیک یہ اس خاندانِ نبوت کا احترام ہے جس کی محبت مدارِ ایمان ہے۔ اور پھر دعویٰ یہ کہ ھم ہی اہل بیت اطہار کے سچے فدائی وشیدائی ہیں۔ ع

بریں عقل و ایماں بباید گریست

میں اس کا قائل نہیں کہ انسان راہب وسنیاسی بنکر نفسانی خواہشات کی تکمیل سے دور جا پڑے اور جب موقع ملے تو مستی و جنون میں بہو بیٹی کی آبروؤں کو پامال کرتا رہے، انسانی معاشرہ کو لاعلاج بیماریوں کا تحفہ دے اور انسانی امن وسلامتی کو تہ وبالا کر دے۔ قرآنِ پاک نے نفسانی خواہشات کی تکمیل کے دو طریقے ارشاد فرمائے۔

نمبر۱ :۔ زوجہ کو اسلامی اصول کے ساتھ قیدِ عقد میں لایا گیا ہو۔

نمبر۲ :۔ مملوکہ کنیز (کہ موجودہ دور میں کالمعدوم ہے)

چنانچہ ارشاد گرامی ہے "وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ o اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ" (الآیۃ نمبر۵ پ ۱۸ المومنون) (کہ بامراد فلاح یافتہ مسلمان وہ ہیں) جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں مگر اپنی بیویوں اور مملوکہ کنیزوں پر کہ ان پر کوئی ملامت نہیں" متعہ حرام نہایت بدانجام ننگِ اسلام ہے، آیۂ مذکورہ "فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ" کا ہرگز یہ مفاد نہیں کہ متعہ مباح ہے۔ حضرت علامہ ابن قدامہ نے اپنی مشہور کتاب "المغنی" کے کتاب النکاح میں اس مسئلہ پر عالمانہ اور تفصیلی بحث کی اور آخر میں

لکھا "وَمِمَّنْ رُوِيَ تَحْرِيْمُهَا عُمَرُ وَعَلِيٌّ وَابْنُ عُمَرَ وَابْنُ مَسْعُوْدٍ وَابْنُ الزُّبَيْرِ" کہ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن عمر، و حضرت عبداللہ ابن مسعود، حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسی مقدس ہستیاں متعہ کے حرام ہونے پر متفق ہیں۔" پھر علامہ ابن اکبر کے حوالہ سے فرماتے ہیں کہ "عَلٰى تَحْرِيْمِ الْمُتْعَةِ مَالِكٌ وَاَهْلُ الْمَدِيْنَةِ وَاَبُوْحَنِيْفَةَ وَاَهْلُ الْكُوْفَةِ وَالْاَوْزَاعِيُّ فِيْ اَهْلِ الشَّامِ وَاللَّيْثُ فِيْ اَهْلِ الْمِصْرِ وَالشَّافِعِيُّ وَسَائِرُ اَهْلِ الْاٰثَارِ" (متعہ کو حرام جانتے ہیں حضرت مالک اور مدینۃ النبی کے سارے اہل علم امام اعظم ابوحنیفہ اور کوفہ کے سارے اہل علم اور حضرت امام اوزاعی اور شام کے سارے اہل علم، اور امام ابواللیث اور مصر کے سارے اہل علم اسی طرح متعہ کو حرام جانتے ہیں امام شافعی اور تمام اصحاب آثار رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

اس مسئلہ کی وضاحت میں بہت سارے رسالے اور کتابیں لکھی جا چکی ہیں اس لئے تفصیل میں نہ جاکر صرف یہ عرض کروں کہ متعہ کے مجوزین کی حمیت وغیرتِ انسانی اگر متعہ کی فضیلت حاصل کرنے کیلئے اپنی بہو بیٹیوں کو چھوٹ دیتی ہے کہ وہ جہاں چاہیں، جس سے چاہیں متعہ کرتی پھریں۔ تو یہ ان کی غیرتِ ایمانی ہے، جس سے کسی اہلِ ایمان کو دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اور اگر اسے وہ اپنی بچیوں کی عصمت فروشی اور اپنے لئے ننگ وعار سمجھتے ہیں تو خدارا اسے پورے معاشرے کے لئے ننگ وعار سمجھنا چاہیئے اور معاشرتی ماحول کو زیر وزبر ہونے سے بچانا چاہیئے۔

نمبر۴ :۔ "فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ" (الآیۃ نمبر۱۰۹ البقرہ)

یعنی اے مسلمانو! تم چھوڑ دو اور درگذر کرو۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لائے"۔
یہ آیت اہل کتاب کے حق میں نازل ہوئی جس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ خواہ وہ تمہارے ساتھ جو بھی ظلم و ستم روا رکھیں، خواہ کیسا ہی سلوک کریں اس کے جواب میں تم ان کے ساتھ درگذر کرتے رہو۔ مگر یہ آیت سورۂ توبہ کی آیۂ کریمہ ۲۹ "قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ" "لڑو ان سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور قیامت کے دن پر" سے مخصوص یا منسوخ ہے۔ اور پھر یہ حکم قتال بھی اسی آیت کریمہ ۲۹ کے آخری جزء (حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ) (جب تک اپنے ہاتھ سے جزیہ نہ دیں ذلیل ہو کر) سے مخصوص و مستثنیٰ ہے۔

۵ :۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى ۝ (الآیۃ ۱۵۹، البقرہ) بیشک وہ جو ہماری اتاری ہوئی روشن باتوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں۔

یہ آیت علمائے یہود کے حق میں نازل ہوئی جو حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت شریف، آیتِ رجم اور توریت شریف کے دوسرے احکام چھپاتے تھے۔ اسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے انہیں ملعون اور لعنتی فرمایا۔ آیت کے عموم سے پتہ چلتا ہے کہ سارے علمائے یہود اس بلا میں گرفتار تھے۔ مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے بعض علمائے یہود نے کھلے دل سے توبہ کی اور نہایت صدق کے ساتھ دامنِ رسول علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام سے وابستہ ہو گئے مثلاً حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ۔ لہٰذا کتمانِ حق کے عموم کو اس کے بعد ہی مستثنیٰ فرمادیا گیا۔ (اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ) (الآیۃ ۱۶۰، البقرہ) مگر وہ جو توبہ کریں اور سنواریں اور ظاہر کریں تو میں ان کی توبہ قبول فرماؤں گا

اس سے معلوم ہوا کہ اوّل الذکر آیت کا عموم خاص کر دیا گیا ہے۔

۶ :۔ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ (الآیۃ ۱۷۳، البقرہ)
ترجمہ :۔ اسی نے حرام فرمایا تم پر مردار اور خون"۔ اس آیت پاک سے ہر قسم کے مردار اور خون کا حرام قطعی ہونا مفہوم ہوتا ہے مثلاً جو حلال جانور خود مر گیا، یا لاٹھی، پتھر، گولی سے مار کر ہلاک کیا گیا یا کسی درندے نے ہلاک کر دیا وہ سب حرام ہیں، اسی طرح خون بھی۔ چاہے وہ کوئی خون ہو حرام ہے۔ مگر حدیثِ پاک میں ہے کہ حضور معلم کتاب و حکمت سراپا رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا "اُحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَانِ وَدَمَانِ اَلسَّمَكُ وَالْجَرَادُ وَالْكَبِدُ وَالطِّحَالُ" کہ ہمارے لئے دو قسم کے مردار اور دو قسم کے خون حلال کر دیئے گئے ہیں "مچھلی اور ٹڈی، جگر اور تلی"۔ خواہ یہ مچھلی اور ٹڈی ماری جائے یا خود مر جائے دونوں صورتوں میں حلال ہے۔ اسی طرح حلال جانوروں کا جگر اور تلی جو خون سے بنے ہوئے اعضا ہیں پھر بھی ہمارے لئے حلال ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ آیۃ کریمہ کا عموم حدیث پاک سے خاص ہے۔

حرام و حلال کے تعلق سے اور بھی آیاتِ کریمہ کی عمومیت کو آیات و احادیث کے ذریعہ خاص کر دیا گیا ہے مثلاً (وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ۔ کہ سور کا گوشت اور وہ جانور جو غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا حرام ہے) لیکن حالتِ اضطرار میں بقدر ضرورت اس کے استعمال کرنے کی رخصت دے دی گئی "فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ"

اسی طرح اور بھی آیات ہیں جنہیں بعض علماء نے آیاتِ ناسخہ و منسوخہ شمار فرمایا ہے۔ مگر حقیقتاً ایسا نہیں ہے۔ بلکہ ان آیات کا مفہوم یا تو مستثنیٰ ہے یا مخصوص ہے۔ اب میں اس کی تفصیل میں نہ جا کر صرف ایک خاکہ پیش کرتا ہوں تاکہ وہ بھی ذہن میں محفوظ ہو جائے اور منسوخیت کا

دھوکہ نہ ہو۔

پ۱	وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ (الآیۃ ۱۱۵، البقرہ)	مفہوم عام ہے کہ جدھر جا ہو متوجہ ہو جاؤ۔
پ۱	وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ (الآیۃ ۱۴۴، البقرہ)	اس آیت نے قبلہ شریف کی طرف متوجہ ہونا مخصوص کر دیا۔
پ۲	اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى (الآیۃ ۱۷۸، البقرہ)	اس آیت نے لازم کیا کہ عورتوں کا قصاص عورتوں سے لیا جائے۔
پ۶	وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَا اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ (الآیۃ ۴۵، المائدہ)	اس آیت نے لزوم بالا کو ختم کر کے حریت و عبدیت کی قید کو باقی رکھتے ہوئے نفس کے بدلے نفس کا قصاص واجب کیا لہٰذا الانثٰی بالانثٰی کا لزوم مستثنٰی ہے۔
پ۲	وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ (الآیۃ ۱۸۴، البقرہ)	یہ حکم صرف شیخ فانی یا ایسے مریض کیلئے ہے جو صحتیاب نہ ہو۔ لیکن مفہوم ہوتا ہے کہ ہر کمزور فدیہ دے کر روزہ سے رخصت پا سکتا ہے۔
پ۲	فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ (الآیۃ ۱۸۵، البقرہ)	اس آیت نے رخصت کے عام مفہوم کو ختم فرما دیا۔
پ۲	وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ (الآیۃ ۱۹۱، البقرہ)	اس آیت میں مسجد حرام یا اسکے ارد گرد مطلقاً قتال کی حرمت و ممانعت ہے۔

پ۲	فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ (الآیۃ ۱۹۱، البقرہ)	ان دونوں آیتوں نے بتایا کہ اگر مشرکین و مفسدین برسرِ پیکار ہوں تو ان سے مسجدِ حرام شریف میں بھی قتال کرو، لہٰذا آیتِ بالا کا مطلق حکم حالتِ امن کیلئے مخصوص ہوا۔
پ۱۰	فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (الآیۃ ۵، التوبہ)	
پ۲	وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ (الآیۃ ۱۹۶، البقرہ)	اور اپنے سر نہ مُنڈاؤ جب تک قربانی اپنے ٹھکانے نہ پہنچ جائے۔
پ۲	فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ (الآیۃ ۱۹۶، البقرہ)	یہ حکم حکمِ بالا کو مستثنٰی کرنے والا ہے جس میں ارشاد ہوا کہ "پھر جو تم میں بیمار ہو یا اسکے سر میں تکلیف ہو تو بدلہ دے روزے یا خیرات یا قربانی سے"۔
پ۲	يَسْــَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلْ مَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ (الآیۃ ۲۱۵، البقرہ)	اس آیت میں اگر صدقۂ نافلہ کا حکم ہے، تو آیت آیتِ محکمہ ہے۔ اور اگر صدقۂ واجبہ کا حکم ہے تو آیتِ ذیل سے اس کا حکم منسوخ، یا مستثنٰی ہے۔
پ۱۰	اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ۔ (آیۃ ۶۰، التوبہ)	بے شک صدقہ تو فقیروں اور نرے ناداروں کے لئے ہے۔
پ۲	يَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ (الآیۃ ۲۱۹، البقرہ)	شراب کی ممانعت تدریجاً ہوئی سب سے پہلے اسے بڑا گناہ فرمایا گیا مگر اسکی تجارت و شرب میں نفع و سرور کی نشاندہی بھی کی گئی۔ پھر حالتِ نشہ میں نماز پڑھنے سے روکا گیا، اور جیسے جیسے آیاتِ ممانعت نازل ہوتی گئیں ویسے ویسے لوگ شراب سے رکتے چلے گئے۔ مثلاً آیت مذکورہ
پ۲	وَاِثْمُهُمَاۤ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا (الآیۃ ۲۱۹، البقرہ)	
پ۵	وَلَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى۔ (الآیۃ ۴۳، النساء)	

کے نزول کے بعد کچھ لوگ تو رک گئے مگر کچھ لوگ اس میں مشغول رہے۔ پھر جب؛ (لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى) کا حکم آیا تو پینے والے لوگوں نے عشاء کے بعد پینا شروع کیا پھر صبح میں بیدار ہو کر فجر کی نماز ادا کرتے اور اس کے بعد ظہر سے پہلے پہلے اس سے شغل کرتے۔ اور آخیر میں جب

۷ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔ (الآیۃ۹، المائدہ)

مطلقاً (فَاجْتَنِبُوْهُ) کا حکم نازل ہوا تو پرانے سے پرانے پینے والوں نے بھی اس سے بالکلیہ علیحدگی کر لی۔ گویا ممانعتِ خمر کی ہر پچھلی آیت پہلی آیت کے ہر حکم و خبر کا ناسخ ہے۔

۸ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۔ (الآیۃ۲۲۱، البقرہ)

ترجمہ:۔ اور مشرکہ عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں۔

یہ آیت کریمہ محکمات میں سے ہے۔ لیکن "کتابیات" (نصرانیہ و یہودیہ) بھی چونکہ مشرکات سے ہیں اس لئے سورۃ المائدہ کی آیۃ ۵ نے اسے مستثنیٰ کر دیا۔ مگر مستثنیٰ کر دینے کا یہ مطلب نہیں کہ بے کراہت اس سے نکاح درست ہو۔ بلکہ اسکی حرمت لغیرہ تو اپنی جگہ پر باقی رہے گی کہ نہ معلوم کتنے گھروں میں کتابیوں نے آکر مسلم معاشرہ کو زیر و زبر کر دیا۔ لہٰذا اگر اسکی تسخیر کی قوت ہو تو عند الاحناف بکراہت اس سے نکاح جائز ہے۔

۸ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ (الآیۃ۵، المائدہ)

ترجمہ:۔ اور (حلال ہیں) پاکدامن عورتیں انکی جنہیں کتاب دی گئی تم سے پہلے

اور مستمر عموماً وہی کتابیہ ہو سکتی ہے جو شروع سے ہی پاک دامن ہو اس لئے قرآن عظیم نے اس کی پاکدامنی کی قید لگائی ہے۔ اگرچہ یہ قید شرطِ جواز کیلئے نہیں۔ لیکن حالات کے لحاظ سے ضروری ہے۔

۹ وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ (الآیۃ۲۳۳، البقرہ)

ترجمہ:۔ اور مائیں دودھ پلائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس جو دودھ کی مدت پوری کرنی چاہے۔

اس آیت سے مفہوم ہوتا ہے کہ مدت رضاعت کی تکمیل کے لئے ماؤں پر ضروری ہے کہ پورے دو سال تک بچوں کو دودھ پلائیں لیکن اسی آیۂ کریمہ کے آنے والے جملوں نے مذکورہ مفہوم کو مستثنیٰ کر دیا جس سے دو سال تک دودھ پلانا ضروری نہیں رہا بلکہ کم مدت میں بھی بشرط عدمِ ضرر دودھ چھڑانا جائز ہے۔

۹ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا (الآیۃ۲۳۳، البقرہ)

پھر اگر ماں باپ آپسی رضامندی اور مشورہ سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں۔

۱۰ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ط (الآیۃ۸۶، آل عمران)

ترجمہ:۔ اللہ ایسی قوم کی ہدایت کیونکر چاہے جو ایمان لا کر کافر ہو گئی۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہود و نصاریٰ جو نبی آخر الزماں کی بعثت سے پہلے آپ کا کلمہ پڑھتی تھی اور آپ کے نام سے برکت حاصل کرتی تھی۔ لیکن تشریف آوری کے بعد حسداً انکار کر بیٹھی اس کے لئے ہدایت کا دروازہ بند ہو گیا۔ اسی طرح ان مرتدین کے لئے بھی جو

ایمان لانے کے بعد کافر ہوگئے بلکہ غیر متقی بھی ہدایت یاب نہیں ہو سکتے جیسا کہ ارشاد ہے: "ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ" کے لامِ اختصاص نے غیر متقین کو ہدایت سے دور پھینک دیا۔ مگر مشاہدات اور واقعات اس کے خلاف ہیں کیونکہ بہت سارے یہود و نصاریٰ، مرتد و کافر اور ظالم و فاسق کو ہدایت نصیب ہوئی اور وہ سچے پکے اہلِ ایمان اور اولیاء کاملین میں ہوئے چنانچہ آلِ عمران ہی کی آیت ۸۹ نے آیۂ مذکورہ کے لزومی مفہوم کو مستثنیٰ کر دیا۔

۱۰ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِکَ وَاَصْلَحُوْا ۝ (الآیۃ ۸۹ آلِ عمران)

ترجمہ:۔ مگر جنہوں نے اس کے بعد توبہ کی اور اپنے آپ کو سنبھالا۔

۱۱ وَلَا تَنْکِحُوْا مَا نَکَحَ اٰبَآؤُکُمْ۔ (الآیۃ ۲۲ النسآء)

ترجمہ:۔ اور باپ دادا کی منکوحہ سے نکاح نہ کرو۔

زمانۂ جاہلیت میں رواج تھا کہ: بیٹا اپنی ماں کے علاوہ باپ کی دوسری بیویوں کو باپ کے مرنے کے بعد گھر سے باہر نکلنے نہیں دیتا تھا اور دورِ جہالت کی عدّتِ بیوگان ایک سال ختم ہونے پر اُنہیں سوتیلی ماؤں کو اپنی بیویاں بنا لیا کرتا، اسی طرح دادیوں کو بھی۔ قرآنِ عظیم نے کلیۃً اس پر پابندی عائد کر دی، اور ایسے نکاحوں کو حرام کر دیا۔ بلکہ باپ دادا کی موطوءہ (خواہ نکاح کے ساتھ ہو خواہ بطورِ زنا خواہ بطورِ ملکِ یمین) سے مطلقاً نکاح کو

۱۱ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّهٗ کَانَ فَاحِشَۃً وَّمَقْتًا وَّ سَآءَ سَبِیْلًا۔ (الآیۃ ۲۲ النسآء)

ترجمہ:۔ مگر جو ہو گذرا بیشک وہ بے حیائی اور غضب کا کام ہے اور بہت بری راہ۔

حرام کر دیا۔ تو حکمِ حرمت نازل ہو جانے کے بعد چاہیئے تھا کہ ایسے لوگ آپس میں علیحدہ ہو جاتے اور آپسی قربت کو حرام جانتے مگر ارشادِ ربانی "اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ الخ" نے ان نکاحوں کو مستثنیٰ رکھا اسی طرح دو دو، تین تین بہنوں کو بیک ساتھ نکاح میں رکھتے، قرآنِ حکیم نے اسے حرام کر دیا۔ لیکن اس قِسم کے گذشتہ نکاحوں کو مستثنیٰ رکھا۔ بہت سے علماء نے "اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ" کو آیتِ مذکورہ کا ناسخ فرمایا مگر یہ قطعاً صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ آیۂ مذکورہ آیۂ محکمہ ہے اور وہ کسی سے منسوخ نہیں ہوتی۔

۱۲ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا (الآیۃ ۶۴ النسآء)

ترجمہ: اور جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب! وہ تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر وہ اللہ سے معافی چاہیں اور رسول اُن کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

یہ آیتِ کریمہ صلاحِ عام ہے یارانِ معصیت کے لئے جو بھی معصیت شعار و گنہ گار بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو جائے اور استغفار کرے اور پھر رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا دریائے شفاعت جوش میں آجائے اور آپ بھی اس آنے والے کیلئے بارگاہِ احدیت میں سفارش فرما دیں تو اس کی توبہ قبول ہو جائے گی اور وہ گوہرِ رحمی سے دامنِ مراد بھر لے گا۔ لیکن بارگاہ

۱۲ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ (الآیۃ ۸۰، التوبہ)

ترجمہ:۔ اے محبوب! تم ان کی معافی چاہو یا نہ چاہو، اگر تم (اپنی سرشت رحمی کی وجہ سے) ستّر بار ان کے لئے معافی چاہو گے تو بھی اللہ ہرگز انہیں نہیں بخشے گا۔ یہ اس لئے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے منکر ہوئے۔

رسالت میں گستاخی کرنے والے کا استغفار بارگاہ احدیت میں قبول نہیں۔ اسی طرح کافر کا استغفار بھی، چاہے ان کی سفارش میں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مبالغہ ہی کیوں نہ فرمائیں۔ تو اس سے واضح ہوگیا کہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوکر استغفار کرنا اور شفیع المذنبین صلے اللہ علیہ وسلم کو سفارشی بنانا اس کے لئے خاص اور مفید ہے جو ایمان کی دولت سے مالا مال ہو۔ مگر غفلت اور نفس کی شرارت کی وجہ سے مرتکب کبائر وصغائر ہوجاتا ہو، مرتدین و کافرین اور منافقین کے لئے وہاں آنا جانا صلوٰۃ وسلام اور استغفار میں مشغول ہونا بلکہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کیلئے سفارش فرمانا قطعًا سود مند نہیں جیساکہ سورۃ توبہ کی آیت ۸۰ سے واضح ہے یعنی سورۃ توبہ کی آیت نے سورۃ نساء کی آیت کے مفہوم کو اہلِ ایمان کے لئے خاص کردیا ہے۔

ہاں! اگر وہ اپنے نفاق وکفر سے پہلے سچی توبہ کریں اور اسلام میں داخل ہوں پھر اپنے گناہوں کی معافی سید عالم صلّے علیہ وسلم کو اپنا سفارشی بنا کر طلب کریں

اور سید عالم بھی شفاعت فرمادیں تو البتہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے توّاب ورحیم ہے لقولہ تعالیٰ "اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ. (الآیۃ ۱۴۶، النساء)

۱۳ قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ (الآیۃ ۱۵، الانعام)

ترجمہ:۔ اے محبوب! فرماؤ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔

سورۃ انعام کی اس آیۃ کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء ومرسلین علیہم السلام سے بھی ذنب وعصیاں کا صدور ممکن ہے، اور دوسرے بندوں کی طرح انہیں بھی قیامت کے دن عذاب کا ڈر لگا ہوا ہے لیکن حقیقتًا ایسا نہیں ہے کیونکہ اہلسنّت کا عقیدہ ہے کہ انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم اعلانِ نبوت سے پہلے بھی اور اعلانِ نبوت کے بعد بھی گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی عصمت اپنے ذمۂ کرم پر لے لیا ہے۔ لہٰذا ان سے عمدًا یا خطاءً ذنب وعصیان کا صدور ممکن ہی نہیں۔ باقی رہا بعض ناممکن الوقوع اشیاء کو فرض ماننا تو یہ مقامِ وعظ وتذکیر میں درست ہے، قرآن عظیم نے بھی بعض ناممکن بلکہ محال شئے

۱۴ لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ. (الآیۃ ۲، الفتح)

ترجمہ:۔ تاکہ اللہ تمہارے سبب سے اے محبوب! گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے۔

کو فرض مانا ہے مثلاً "لَوْ كَانَ فِیْهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا" باقی رہا عذاب کا ڈر۔ تو یہ اپنے لئے نہیں بلکہ گنہگار مستحق نار اُمتیوں کے لئے ہے۔ اور یہ ایمان کا تقاضا بھی ہے "اَلْاِیْمَانُ بَیْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ"۔ آیۃ مذکورہ میں حضور سید عالم شفیع اعظم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو حکمِ الٰہی ہے کہ قیامت کی ہولناکیوں سے اس طرح لوگوں کو ڈرائیے ورنہ قیامت کے میدان میں سرورِ کائنات ہی تو مقامِ محمود میں ہوں گے جہاں اوّلین و آخرین آپ کی حمد و نعت بیان کر رہے ہوں گے۔ بہرحال آیۃ الانعام کا مفہوم عام آیۃ الفتح اور آیۃ المحمود وغیرہا سے منسوخ یا مخصوص ہے لہٰذا آیۃ مذکورہ کو خصائصِ نبوّت مثلاً معصومیت، محبوبیت و محمودیت کے خلاف دلیل نہیں بنایا جاسکتا لانّها مَنْسُوْخَةٌ عند علامہ ابن حزم اندلسی وَنَاسِخُهَا اٰیَةُ الْفَتْحِ اَوْ هِیَ الْمُتَشَابِهُ (فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَاْوِیْلِهٖ

۱۳۔ عَسٰۤى اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (الآیۃ ۷۹۔ بنی اسرائیل)

ترجمہ:۔ قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں ایسی جگہ کھڑا کرے جہاں سب تمہاری حمد کریں۔

۱۴۔ لَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَیَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَیْرِ عِلْمٍ (الآیۃ ۱۰۸، الانعام)

ترجمہ:۔ اور انہیں گالی نہ دو جنہیں وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں (بتوں کو) کروہ اللہ کی شان میں بے ادبی کریں گے زیادتی اور جہالت سے۔

بتوں کی حقیقت کا اظہار طاعت و ثواب ہے تاکہ اس کے پجاری اپنے لغو فعل سے باز آجائیں۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم کا اس پر عمل رہا۔ پھر عناداً و عداوتاً کفار و مشرکین بھی اللہ عزّو جلّ اور رسول اکرم علیہ التحیۃ والتسلیم کو بُرا کہنے لگے تو اللہ تعالےٰ نے بتوں کی بدگوئی سے مسلمانوں کو روک دیا تاکہ کفار کی بدگوئیوں کا سلسلہ بند ہو جائے تا اینکہ اللہ تعالےٰ نے اسلام کو غلبہ و شوکت عطاء فرمائی اور کفار و مشرکین مغلوب ہوئے۔ تو آیتِ سیف کے ذریعہ نفی مذکور کو منسوخ کر دیا گیا جیسا کہ ابن انباری اور ابن حزم کا قول ہے، اور علامہ سیوطی کے نزدیک منسوخ تو نہیں ہے۔ البتہ حالات کے اعتبار سے اس کا مفہوم مخصوص و محدود ہے۔

۱۵۔ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ یُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ۔ (الآیۃ ۱۲۲۔ الانعام)

ترجمہ:۔ اور اسے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اور وہ بے شک حکم عدولی ہے۔

جن جانوروں کو ذبح کیا جاتا ہے ان پر بوقتِ ذبح اللہ کا نام لیا جانا ضروری ہے خواہ وہ ذکر تحقیقی ہو مثلاً بسم اللہ اللہ اکبر کہنا، یا تقدیری مثلاً کوئی مسلمان ذبح کرتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہنا ہی بھول گیا۔

اور ذبح کیا جانے والا جانور اگر اپنی موت آپ مرگیا یا غیر خدا کے نام پر ذبح کیا گیا یا عمداً اس پر خدا کا نام نہیں لیا گیا تو اِن صورتوں میں وہ جانور حرام ہے اور اس کا کھانا حکم عدولی ہے۔ آیۂ مذکورہ کا یہی مفاد وحکم ہے۔

۱۵ وَطَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمْ وَطَعَامُکُمْ حِلٌّ لَّھُمْ۔ (الآیۃ ۵۔ المائدہ)

ترجمہ:۔ اور کتابیوں کا کھانا (ذبیحہ) تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا کھانا (ذبیحہ) ان کے لئے حلال ہے۔

لیکن سورۂ مائدہ کی آیۃ ۵ نے اہلِ کتاب (یہودی) کا ذبیحہ مسلمانوں کے لئے حلال رکھا حالانکہ وہ وقتِ ذبح "بسم اللہ اللہ اکبر" نہیں کہتے اس سے معلوم ہوا کہ وقتِ ذبح ذکرِ تحقیقی کا فرض ہونا تو منسوخ ہے یا اہلِ ایمان کے ساتھ خاص ہے کہ اگر کسی کافر و مشرک (غیر کتابی) نے بوقتِ ذبح بسم اللہ اللہ اکبر کہا تو اس کا ذبیحہ حلال نہ ہوگا۔

۱۶ فَسِیْحُوْا فِی الْاَرْضِ اَرْبَعَۃَ اَشْھُرٍ (الآیۃ ۲۔ التوبہ)

ترجمہ:۔ تو چار مہینے زمین پر چلو پھرو۔

یہ خطاب مشرکین سے ہے کہ انہیں اَشہرِ حُرم میں چلنے پھرنے کی عام آزادی دے دی گئی تھی جن میں مسلمان اُن سے کوئی تعرّض نہیں کرتے تھے۔ حالانکہ وہ مسلمانوں کی ایذا رسانی کیلئے ہمہ وقت تاک میں رہتے تھے۔ اَشہرِ حرم سے مُراد وہ چار مہینے ہیں جن میں عہدِ جاہلیت کے لوگ قتال کو حرام جانتے تھے یعنی محرّم، رجب، ذوالقعدہ

اور ذوالحجہ۔

۱۶ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِکِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْھُمْ۔ (الآیۃ ۵، التوبہ)

پھر جب مشرکین کی عہد شکنی اور مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانی زیادہ بڑھ گئی تو اشہرِ حرم کی دی گئی آزادی سلب کرلی گئی اور مسلمانوں کو حکم ہوا کہ "فَاقْتُلُوا الْمُشْرِکِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْھُمْ" کہ جہاں پاؤ جب پاؤ مشرکین کو ٹھکانے لگاؤ۔ گویا آیت ۲ میں دی گئی آزادی آیت ۵ سے منسوخ ہے خواہ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْھُمْ سے منسوخ ہو خواہ "فَاِنْ تَابُوْا" سے۔

۱۷ وَاِنَّ رَبَّکَ لَذُوْ مَغْفِرَۃٍ لِّلنَّاسِ عَلٰی ظُلْمِھِمْ، (الآیۃ ۶، الرعد)

ترجمہ:۔ اور بلاشبہ تیرا ربّ بخشش والا ہے لوگوں کے لئے اُن کے ظلم کے باوجود۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر نہایت رحیم وکریم ہے کہ ہمیشہ عفو وکرم کی موسلا دھار بارش برساتا ہے اور بندوں کی نافرمانی وسرکشی پر فوراً گرفت نہیں فرماتا۔ بلکہ اسے مہلت دیتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو سنوار لے۔ آیتِ رعد میں اسی عفو ودرگذر کا بیان ہے۔ لیکن اس میں ظلم کو مطلقاً بیان فرمایا گیا جس سے تبادرِ ذہنی اِس طرف ہوتا ہے کہ ہر ظلم خواہ بڑا ہو یا چھوٹا قابلِ معافی ہے اور اسی غلط فہمی کو آیت نساء نے دور کیا ہے کہ دامنِ مغفرت کی وسعت ہر ظلم وجفا

۱۷ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ۔ (الآیۃ ۴۸، ۱۱۶، النساء)

ترجمہ:۔ بلاشبہ اللہ نہیں بخشتا (اس جرم کو) کہ اس کے ساتھ شریک

کیا جائے۔"

اور عصیاں شعاری ونافرمانی کو ڈھانپ لے گی بلکہ محو کردے گی لیکن کفر و شرک کو نہیں ڈھانپا جائے گا کہ اسکی اُلوہیت و وحدانیت کے ساتھ غداری ہے۔ ہر گناہ ظلم ہے مگر شرک ظلمِ عظیم ہے جس کے لئے خلود فی النّار کی وعید ہے۔
(اَعَاذَنَا اللّٰہُ وَاِیَّاکُمْ مِنْہُ)

۱۸ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا (الآیۃ ۲۴۔ بنی اسرائیل)

ترجمہ:۔ اور عرض کر کہ اے میرے رب! تو اِن دونوں پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے مجھے بچپنے میں پالا۔"

سورۂ بنی اِسرائیل کی آیت ۲۳ اور ۲۴ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے ساتھ ساتھ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک، اِحسان اور آداب و خِدمات کا حکم دیا ہے۔ پھر بھی ماں، باپ کے ساتھ جس قدر بھی حسن سلوک کیا جائے ان کے اِحسانات کا بدلہ نہیں ہوسکتا۔ اِس لئے دوسری آیت کے اخیر میں بندوں کو یہ حکمِ الٰہی ہوا کہ جب تم اپنی ہر ممکن کوشش کے باوجود ماں باپ کے احسانات کا بدلہ نہیں دے سکتے تو میری بارگاہ سے ان کیلئے فضل ورحمت طلب کرو! کہ میں اپنی رحمتِ بیکراں کی بارش فرما کر ان کو تمہارے لئے راضی کردوں گا۔ اس مقام پر پہنچ کر

اولاد سوچتی ہے کہ اگر والدین کافر و مشرک

۱۸ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى ط (الآیۃ ۱۱۳۔ التوبہ)

ترجمہ:۔ نبی اور ایمان والوں کو لائق نہیں کہ مشرکوں کی بخشش چاہیں، اگرچہ وہ رشتہ دار ہوں۔"

کتابی یا غیر کتابی ہوں تو کیا اُن کے لئے بھی دعائے رحمت کرنی چاہیئے.....؟ ہاں! ان کے لئے ہدایت وایمان کی دعا کرنا ہی دعاءِ رحمت ہے۔ اور اگر مرچکے ہوں تو ان کے لئے ہدایت و ایمان کی دعا عبث ہے، اب نہ انکے لئے دعاءِ رحمت جائز نہ ان کے نام ایصالِ ثواب جائز اور نہ ہی ان کیلئے بارگاہِ احدیت میں اِستغفار درست کہ یہ سب مفید آخرت ہیں اور آخرت میں کفّار و مشرکین کے لئے کوئی حصّہ نہیں۔ "وَمَا لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ" دوسری آیت میں اسی کا حکم ہے۔

۱۹ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ۔ (الآیۃ ۹۸۔ الانبیاء)

ترجمہ:۔ بیشک تم اور جو کچھ اللہ کے سوا تم پوجتے ہو سب جہنم کے ایندھن ہو۔"

اس آیت پاک میں مشرکوں کو خطاب ہے کہ تم اور جس کو تم پوجتے ہو دونوں جہنم کے ایندھن ہو، اور ہمیشہ ہمیشہ تم دونوں کو جہنم میں ہی رہنا ہے اس وعید کو سنکر عبد اللہ سہمی چلّا اٹھا: "اے پیغمبرِ اسلام! آپ حضرت عزیر کے متعلق کیا فرماتے ہیں جن کو

۱۹۔ اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَھُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓی اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۔ (الآیۃ ۱۰۱، الانبیاء)

ترجمہ:۔ بیشک وہ جن کے لئے ہمارا وعدہ بھلائی کا ہوچکا وہ جہنم سے دور رکھے گئے ہیں۔

یہودی پوجتے ہیں، حضرت عیسیٰ کے متعلق کیا کہتے ہیں جنکو نصرانی پوجتے ہیں اور فرشتوں کے متعلق کیا حکم ہے جن کو بنی ملیح اور دیگر قبیلے پوجتے ہیں؟ عبداللہ سہمی کا یہ سوال اگرچہ باطل اور جہالت پر مبنی تھا کیونکہ قرآن پاک نے "مَا تَعْبُدُوْنَ" فرمایا۔ اور "ما" عربی زبان میں غیر ذوی العقول کے لئے بولا جاتا ہے، جس کو عبداللہ سہمی بھی سمجھ رہا تھا کہ اس سے مراد بے جان بُت ہیں۔ مگر دیدہ دانستہ اس نے پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خاموش کرنے کی جسارت کی، جس کا توضیحی جواب آیت ۱۰۱ کی شکل میں فوراً نازل ہوا جس کو سن کر وہ ساکت و صامت ہوگیا اور زبان ہلانے کی جرأت نہیں ہوئی۔ گویا آیت ۹۸ کے اندر بادی النظر میں جو مفہوم عام ہے، اس کو آیت ۱۰۱ نے خاص کر دیا۔ بعض علماء نے اسے ناسخ بھی فرمایا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ یہ مخصص ہے۔

۲۰۔ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۔ (الآیۃ ۶، الکافرون)

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کفارِ مکہ سے تہدیداً فرمایا کہ اگر

ترجمہ:۔ تمہیں تمہارا دین اور مجھے میرا دین۔

تم میری دعوت کو قبول کرنے کے لئے کسی طرح تیار نہیں ہوتے تو سرزمین حرم پر لڑائی جھگڑا کی ضرورت نہیں ہے تمہارا کفر و شرک تمہارے لئے ہے اس کا وبال تمہارے ہی سر رہے گا۔ اور میری توحید، میرا اسلام میرے لئے ہے۔ لیکن یہ آیت کریمہ آیتِ قتال ۵ سورۃ توبہ سے منسوخ ہے۔ یعنی دین کی بنیاد پر مشرکوں کافروں سے مصالحت نہیں ہوسکتی۔

۲۰۔ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (الآیۃ ۵، التوبہ)

قرآن عظیم میں بہت ساری آیتیں آیت تخییر کہلاتی ہیں جن میں لوگوں کو راہِ ہدایت قبول کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے مثلاً فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۝ (آیت ۲۹ سورۃ دہر) و اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ (آیت ۱۲ سورۃ عبس) اس طرح کی تمام آیتِ تخییر "وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝" سے منسوخ ہیں۔

الحمدللہ! آیاتِ ناسخہ و منسوخہ کے تعلق سے قدرے تفصیل بحث ہوگئی اور بعض مستثنیٰ و مخصوص امر کا ذکر آگیا جس سے باذوق حضرات خصوصًا

طلبا، علوم دینیہ اگر دلچسپی سے مطالعہ کریں تو قرآنی فہم و ادراک کا جوہر حاصل کر سکتے ہیں۔ ویسے قرآن پاک کی تلاوت کرتے وقت ایسی سیکڑوں آیتیں آئیں گی جن کا حکم مستثنیٰ یا مخصوص ہے اور استثنیٰ بھی وہیں موجود ہے مثلاً اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (الآیۃ، العصر) اسے منسوخ و ناسخ نہیں سمجھنا چاہیئے۔ جیسا کہ بعض علماء نے فرمایا ــــ مگر فکر و تدبر کے ساتھ قرآنی تلاوت کا ذوق ہو تو "وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ" کا جلوہ نظر آتا ہے اور اگر بعض علوم قرآنی بھی تالی کے پیش نظر رہے تو سبحان اللہ! جو اس کی تلاوت و سماعت میں لطف ہے غالباً ہفت کشور کی بادشاہت میں بھی نہیں ہوگا کیونکہ اس میں ایمان کی حلاوت اور صاحبِ کلام کی قربت و رفاقت نصیب ہوتی ہے جو دونوں جہان کی دولت میں نہیں۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا تِلَاوَتَہٗ اٰنَآءَ الَّیْلِ وَاٰنَآءَ النَّھَارِ وَاجْعَلْہُ لَنَا حُجَّۃً یَّارَبَّ الْعٰلَمِیْنَ۔ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا وَحَبِیْبِنَا مُحَمَّدٍ حَامِلِ الْقُرْاٰنِ وَمُعَلِّمِہٖ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ اَجْمَعِیْنَ

بِرَحْمَتِکَ یَآ اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ ۝

وَابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ آیت ۱۲۹ بقرہ	اور بھیج ان میں ایک رسول انہی میں سے،
وَرَفَعَ بَعْضَھُمْ دَرَجٰتٍ آیت ۲۵۳ بقرہ	اور کوئی وہ جس کو سب پر درجوں بلند کیا۔

آیت اولیٰ میں رسول اور آیت ثانیہ میں بعض کو پردۂ ابہام میں رکھا گیا ہے۔ اور ان دونوں مقاموں میں 'رسول' اور 'بعض' سے مراد نبی آخر الزماں سید المرسلین رحمۃ للعالمین حضور پر نور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے

وَلَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْکُمْ وَ السَّعَۃِ	اور قسم نہ کھائیں وہ جو تم میں فضیلت والے اور گنجائش والے ہیں
اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا	جب اپنے صحابی سے فرماتے تھے غم نہ کھا بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

آیت اولیٰ میں "اولوا الفضل" اور "صاحبِ وسعت" نیز آیتِ ثانیہ میں صاحب، کو مبہم بیان فرمایا گیا ہے۔ اور ان تینوں مقامات میں 'اولوا الفضل' 'اولوا الوسعت' اور 'صاحب' سے مراد افضل البشر بعد الانبیاء حضور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی ذات گرامی ہے۔

آیاتِ مبہمات

قرآن عظیم علوم و فنون کا خزینہ اور اسرار و معارف کا دفینہ ہے اور ایسا بحرِ ناپیدا کنار ہے جس کی گہرائی کا کوئی اندازہ نہیں۔ اِس میں جس قدر غوّاصی کی جائے اسی قدر قیمتی اور آبدار موتی دستیاب ہوتے ہیں۔ ہمارے اسلاف کرام نے اس کے تشبیہ و اِستعارات، تعریض و کنایات، وجوہ و مخاطبات اور مفردات و مبہمات وغیرہا کی تشریح و توضیح اور تیسیر و تسہیل کے لئے اپنی پوری پوری متاعِ زندگی کو وقف فرما دیا۔ جن کی بارآور کوششوں کے نتیجہ میں قیامت تک اہلِ علم ان کے خوشہ چین اور حاشیہ نشین رہیں گے۔

قرآن پاک میں جابجا بہت سارے افراد و جماعت کا ذکر بطور مبہم ہے، جس کی عقدہ کشائی کے لئے بزرگوں نے اپنی عمر عزیز کو صرف کر دیا۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ "وَمَنْ یَّخْرُجْ مِنْ بَیْتِہٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ یُدْرِكْهُ الْمَوْتُ" سے کون صاحب مراد ہیں اس کی تحقیق و جستجو میں میں نے چودہ[۱۴] سال گزار دیا (الاتقان) تو اللہ و رسول جل و علی و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا و خوشنودی کے لئے اپنے گھر بار چھوڑ کر ہجرت کر جانے والے اور اثنائے راہ موت کی آغوش چلے جانے والے، بنی خزاعہ سے تعلق رکھنے والے ابن العیص تھے۔ پھر معلوم ہوا کہ ابو ضمرہ بن العیص تھے، پھر معلوم ہوا کہ ابو ضمرہ کا اصل نام سبرہ تھا پھر یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ سبرہ نہیں بلکہ خالد بن حزام تھے۔ بالآخر یہ تحقیق ہوا کہ دراصل وہ شخصیت ضمرہ بن جندب کی تھی جس نے

مہاجرت کی حالت میں جامِ شہادت نوش کیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ وہ جندع بن ضمرہ تھے۔ غور کیجئے! ایک ایک ابہام کو دور کرنے کے لئے اور اس پردہ سے رُخِ زیبا کو باہر لانے کیلئے کیسی کیسی سعیِ مشکور فرمائی گئی ہے کہ اگر ان مخلص بزرگوں کی مجاہدانہ و عالمانہ کوششیں نہ ہوتیں تو بہت سارے پردے علم و دانش اور فہم و ذکاوت کے باوجود نہیں اٹھ پاتے۔

قرآن پاک میں اِبہام کے متعدد وجوہات ہیں (۱) جب کوئی مبہم ذکر آئے گا تو اس کے ابہام کو دور کرنے کا ذوق پیدا ہوگا اور تالیِ قرآن اسوقت تک تلاوت و جستجو میں لگا رہے گا جب تک اِبہام دور نہ ہو جائے۔ (۲) جب کسی بات کو ایک مقام پر وضاحت و تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا گیا تو دوسرے مقام پر پھر اسی وضاحت و صَراحت کی چنداں ضرورت نہیں رہتی ہے بلکہ اشارے کنائے اور ابہام سے بھی کام چل جاتا ہے مثلاً صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ، کی تلاوت جب کوئی شخص کرتا ہے تو اس کو مُنعَم علیہم کی تلاش و جستجو کا ذوق پیدا ہوتا ہے کہ جس صراطِ مستقیم کی ہدایت ہم اپنے پروردگار سے طلب کر رہے ہیں وہ صراطِ مستقیم تو ان حضرات کا راستہ ہے جن پر اللہ کا اِحسان ہوا۔ مگر وہ حضرات ہیں کون؟ جو منعَم علیہم ہیں اور جن پر اللہ تعالےٰ کا اِحسان ہوا ہے۔ اِس تلاش و جستجو نے تالیِ قرآن کو تلاوت پر برانگیختہ کیا۔ تا اینکہ وہ آیۂ کریمہ اَلَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ (الآیۃ۹۹ النسآء) تک پہنچا تو اس کی آنکھوں سے پردہ اُٹھا پھر اس کی تلاش و جستجو رنگ لائی اور سرخرو ہوا کہ جن حضرات پر اللہ تعالےٰ کا احسان ہوا اور جو حضرات منعَم علیہم ہیں وہ انبیاء علیہم السلام، صدیقین عظام، شہدائے والا مقام اور صالحین کرام ہیں۔ اس کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ جس بات کا ذِکر ایک جگہ تفصیل و وضاحت سے ہو گیا ہے،

دوسری جگہ صرف ابہام واشارہ سے کام لے لیا گیا ہے تاکہ اعجاز و بلاغت کا معیار اہل علم کے دانش کدوں میں رکھ دیا جائے جس سے اربابِ تحریر و تقریر حسب ظرف فائدہ اٹھاتے رہیں۔

ابہام کی تیسری وجہ یہ ہے کہ جس کو مبہم رکھا گیا ہے وہ اس قدر مشہور و معروف ہو کہ اس کے نام لینے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ سامع و تالی کو اشارات وضمائر اور ابہام ہی کے ذریعہ اس کا علم یقینی حاصل ہو جاتا ہے مثلاً قُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ ۔ ہم نے فرمایا اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو!" اس اشارہ میں حوا نہیں فرمایا گیا، صرف "تمہاری بیوی" کہنے پر اکتفا کیا گیا کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی بیوی حضرت حوا کے علاوہ دوسری نہیں ہے تو صرف "تمہاری بیوی" فرما دینے ہی سے حضرت حوا متعین ہو جاتی ہیں۔

اسی طرح دوسری آیۃ مقدسہ میں ارشاد ہوا، أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ ۔ (الآیۃ ۲۵۸ البقرۃ). (اے محبوب! کیا آپ نے نہ دیکھا اُسے جو ابراہیم سے جھگڑا اس کے رب کے بارے میں، حالانکہ اللہ نے اُسے بادشاہی دی ۔) اس آیت میں جھگڑالو کا نام نہیں لیا، صرف اشارہ فرما دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بادشاہی دی تھی۔ اور یہ اظہر من الشمس ہے کہ حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نمرود مردود کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے تو بغیر نام کے بھی آیتِ مذکورہ میں نمرود ہی متعین ہوا اس لئے بطور ابہام اس کا ذکر ہوا۔ قرآنی اسرار و نکات کے غواص و شناور یہ بھی بیان فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرعون جیسے نابکار کا ذکر اس کا نام لے کر فرمایا تو نمرود کا ذکر نام کے ساتھ کیوں نہیں فرمایا؟ پھر اس کا جواب بھی خود ہی دیتے ہیں کہ فرعون نافرمان و گمراہ ہونے کے باوجود ذہین و فطین تھا جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے مکالموں سے ظاہر ہے۔ اور نمرود

نہایت کند ذہن اور بودا تھا کہ حیات و موت کے فلسفہ کو قتل و آزادی پر محمول کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دلیل قاہر کے مقابلہ میں ایسا احمقانہ جواب دیا کہ اس کا عجز اس کے پرستاروں پر بھی ظاہر ہو گیا، اس لئے اس کا نام بھی اس قابل نہیں کہ مذکور ہو۔

ابہام کی چوتھی وجہ پردہ پوشی ہے اور یہ محض پروردگار کے لطف و کرم کے باعث ہے تاکہ مذکور کی پردہ دری تالی و سامع قرآن کے نزدیک نہ ہو۔ ممکن ہے محکی عنہ اپنے کرتوت پر پشیمان ہو کر تائب ہو جائے تو اس وقت اس کو عزت والے معاشرہ میں منہ چھپانے کی جگہ نہیں ملے گی۔

ابہام کی پانچویں وجہ یہ ہوتی ہے کہ مبہم کو متعین کر دینے میں کوئی بڑا فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ مبہم رکھنے ہی میں ذہن و فکر اور طائرِ معلومات کو جولانیت نصیب ہوتی ہے مثلاً وَاسْأَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۔ اور ان سے حال پوچھو اُس بستی کا جو دریا کے کنارے تھی۔ (الآیۃ ۱۶۳ الاعراف) اس آیت کریمہ میں خداوند قدوس نے اپنے محبوب سے خطاب فرمایا کہ مدینہ کے قریب بسنے والے یہودیوں سے اس گاؤں کا حال پوچھئے جو دریا کے کنارے تھا، اب وہ کون سا گاؤں تھا قرآن عظیم نے اُسے متعین نہیں فرمایا۔ لہٰذا مفسرین کرام کو اس کی جستجو ہوئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ وہ مدینہ منورہ اور مصر کے درمیان ایک قریہ ہے۔ انہیں کا ایک قول یہ ہے کہ مَدین اور طور کے درمیان ایک آبادی ہے۔ زہری نے کہا کہ وہ ملکِ شام میں ایک قریۂ طبریہ ہے۔ حضرت ابن عباس کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ مَدین ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ وہ ایلہ ہے اور بعض نے کہا وہ بَيْتُ الْمَقْدِس ہے یعنی ایک ابہام نے تحقیق و جستجو کے چشمے بہانے پر مفسرین کرام کو مجبور کر دیا جس سے تالی و سامع

دونوں کے ذوق میں زیادتی ہوئی ۔

ابہام کی چھٹی وجہ :۔ یہ ہوتی ہے کہ اگرچہ واقعہ کسی خاص شخص سے متعلق ہے مگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم کو عام فرمانا چاہتا ہے ۔ لہٰذا اپنے فضل وعنایت کی نسبت اس خاص بندہ کے ساتھ متعین نہیں فرماتا بلکہ مبہم بیان فرماتا ہے تاکہ تالی وسامع کے اندر ذوقِ عبادت بھی بیدار ہو اور اس مبہم کی تلاش و جستجو بھی ہو ۔ مثلاً وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ " اور جو نکلا اپنے گھر سے اللہ ورسول کی طرف ہجرت کرتا ۔ پھر اسے موت نے آلیا تو اس کا ثواب اللہ کے ذِمّہ پر ہوگیا ۔" اس آیۂ مقدسہ میں ہجرت کرنے والے صحابی اگرچہ متعین ہیں کہ وہ جندع بن ضمرہ یا ضمرہ بن جندب ہیں جو تنگدستی کے باوجود شوقِ ہجرت میں ہجرت کا ثواب حاصل کرنے کے لئے مکّہ سے روانہ ہوتے ۔ مگر تنعیم پہنچ کر جاں بحق ہوگئے ۔ جس پر لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ حصولِ ثواب کے شوق میں پریشانی بھی اٹھائی مگر بڑھاپے اور کمزوری نے ہجرت کے فضل وثواب سے محروم رکھا اور راستے ہی میں دَم توڑ گئے ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اِبہامًا اس مصیب ومثاب صحابی کا بھی ذِکر فرمادیا ۔ اور ان کا نام متعین نہ فرماکر ہجرت کے ثواب کو عام بھی رکھا ۔

اور کبھی ابہام سے وصفِ کامل کے ساتھ مبہم (مشارٌ الیہ) کے عظمتِ واقعی کو ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے ۔ مثلاً وَلَا يَأْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ " اور قسم نہ کھائیں وہ جو تم میں فضیلت والے اور گنجائش والے ہیں ۔") اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (جب اپنے صحابی سے فرماتے تھے غم نہ کھا بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے ۔") وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ " اور وہ جو یہ سچ لے کر تشریف لائے اور وہ جنہوں نے اس کی تصدیق کی یہی ڈر والے ہیں)

اِن تینوں آیاتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمتِ واقعی کو مختلف وصفوں کے ساتھ بیان فرمایا ہے پہلی آیت میں صاحبِ فضل اور صاحبِ وسعت فرمایا ۔ دوسری آیت میں صحابیِ رسول کے لقب سے ملقب کیا ۔ اسی لئے بعض ائمہ کا ارشاد ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحابیت بنصِ قرآن ثابت ہے اور جو بھی آپ کی صحابیت کا انکار کرے وہ نصِّ قرآنی کا منکر ہو کر دینِ اِسلام سے خارج ہوجاتا ہے ۔ اور تیسری آیت میں آپ کی صداقت وتقویٰ کا ذکر فرمایا گیا ہے ۔ اِن تینوں آیتوں میں آپ کا نام نہیں آیا ۔ مگر ایسے وصفِ کامل کے ساتھ ذکر ہوا کہ تالی وسامع کا تبادرِ ذہنی حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی طرف ہوتا ہے ، اسی لئے مفسرین کرام نے اِن تینوں آیتوں کے ابہام سے آپ ہی کی ذاتِ گرامی کو مراد لیا ہے ۔

اور کبھی ابہام سے وصفِ ناقص کے ساتھ مبہم ومشارٌ الیہ کا ذکر ہوتا ہے مثلاً " اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ " (یقیناً جو تمہارا دشمن ہے وہی ہر خیر سے محروم ہے ۔") خواہ وہ ابولہب اور عاص بن وائل ہو یا دوسرے کفّار ومشرکین ہوں یا قیامت تک ہونے والے معاندین ومنافقین ہوں ۔ اس مختصر وضاحت سے معلوم ہوا کہ آیاتِ مُبہَمات ذوقِ معلومات ، اعجاز وبلاغت ، پردہ پوشی ، تنبیہ علی العموم ، وصفِ کامل اور وصفِ ناقص وغیرہ کی معلومات تالی وسامع کے لئے فراہم کرتی ہیں ۔

★ آیاتِ مُبہَمات میں کبھی فردِ واحد مبہم ہوتا ہے خواہ وہ فرد مرد ہو یا عورت فرشتہ ہو یا جن ۔ اور کبھی تثنیہ یا جمع مبہم ہوتے ہیں ۔ ان کی مثالیں یہ ہیں :—

اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً (آیت ۳۰، بقرہ) میں زمین میں اپنا نائب بنانے

والا ہوں۔"

یہاں خلیفہ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا۔ (آیت ۷۲، بقرہ) اور جب تم نے ایک نفس کا خون کیا

یہاں "نفس" سے عامیل مراد ہے جو بنی اسرائیل کا ایک فرد تھا۔

وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ اور بھیج ان میں ایک رسول انہی میں سے (آیت ۱۲۹۔ بقرہ)

"رسول" سے مراد نبی آخر الزماں حضور پرنور سید عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ، بقرہ اور کوئی آدمی اپنی جان بیچتا ہے۔ (آیت ۲۰۷)

یہاں "جان" بیچنے والے سے مراد حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی رسول ہیں۔

اِذْ قَالُوا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ۲۴۶ بقرہ جب وہ اپنے ایک پیغمبر سے بولے۔

یہاں "نبی" سے حضرت شمعون یا حضرت شمویل یا حضرت یوشع علیہم السلام مراد ہیں۔

مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ۔ ۲۵۳ بقرہ ان میں کسی سے اللہ نے کلام فرمایا۔

جس نبی کو بے واسطہ خدا سے ہمکلامی کا شرف عطا فرمایا گیا اس سے مراد بقول مجاہد حضرت موسیٰ علیہ السلام یا حضور پرنور سید العلمین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں جنہیں شب معراج بے واسطہ جبریل ہمکلامی سے مشرف فرمایا۔

وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ۲۵۳ بقرہ اور کوئی وہ جس کو سب پر درجوں بلند کیا۔

یہاں "بعض" سے مراد جانِ مراد حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ اس پر امت کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بدرجات کثیرہ حضور پرنور نبی آخر الزماں علیہ التحیۃ والتسلیم کو تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام پر افضل و اعلیٰ و برتر و بالا کیا۔

اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ ۲۵۹ بقرہ یا اس کی طرح جو گذرا ایک بستی پر"

اس آیت میں گزرنے والے سے مراد حضرت عزیر علیہ السلام ہیں، اور قریہ سے مراد اوپر گزر چکا۔

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ ۳۵ آلِ عمران جب عمران کی بیوی نے عرض کی"

یہاں "امرأۃ" سے مراد حضرت مریم ام عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت حنہ بنت فاقوذ ہیں۔

وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ۴۰ آلِ عمران اور میری بیوی بانجھ ہے"

یہاں "امرأۃ" سے مراد حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی حضرت مریم کی خالہ اشیاع بنت فاقوذ یا اشیع بنت فاقوذ ہیں۔

وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ نساء اور تم میں کوئی وہ ہے کہ ضرور دیر لگائے گا"

اس آیت میں میدان جہاد کی طرف جانے میں دیر لگانے والے سے مراد عبداللہ بن ابی رأس المنافقین ہے۔

✱ اسی طرح قرآن عظیم میں سینکڑوں آیتیں ایسی ملیں گی جن میں فرد واحد کو مبہم رکھا گیا ہے۔ اور کہیں کہیں تثنیہ و جمع کو بھی مبہم رکھا گیا ہے، خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں، فرشتے ہوں یا جن مثلاً

قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ ۲۳ المائدہ کہا دو مردوں نے جو اللہ سے ڈرنے والوں میں سے تھے۔

اِن دو مردوں سے مراد حضرت یوشع بن نون اور کالب بن یوقنا تھے اور یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نقباء میں سے تھے۔

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهِيْمُ بَنِيْهِ اسی دین کی وصیت کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو" آیت ۱۳۲۔ البقرہ

یہاں بیٹوں سے مراد حضرت اسماعیل، حضرت اسحٰق، مدان و زمران، سرح و نفشان و امیم، کیسان و سورح اور لوطان و نافش ہیں۔ اسی طرح "اسباط" سے

مراد حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ[12] بیٹے حضرت یوسف، روبیل، شمعون لاوی، یہوذا یا یہودا، تفتالی، متناہ، کاد، یاشبر، ایشاجر، رایلون اور بنیامین ہیں۔

فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ (۱۲ر توبہ) تو کفر کے سرغنوں سے لڑو!

"ائمۂ کفر" سے مراد ابوجہل، امیہ بن خلف، سہیل بن عمرو، عتبہ بن ربیعہ ہیں۔ اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب حالتِ کفر میں تھے تو وہ بھی امام الکفار کہلاتے تھے۔

وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا (۱۰۷ر توبہ) اور وہ جنہوں نے مسجد بنائی نقصان پہنچانے کے لیئے"

مدینہ منورہ سے قریب مقامِ قبا میں مسجد قباء سے قدرے فاصلہ پر جن لوگوں نے مسجد ضرار بنائی ان میں یہ بارہ[12] آدمی پیش پیش تھے ۱ حزام بن خالد ۲ ثعلبہ ابن حاطب ۳ ہزال بن امیہ ۴ معتب ابن قشیر ۵ ابوحبیبہ ابن ازعر ۶ عباد ابن حنیف ۷ جاریہ ابن عامر اپنے تمام بیٹوں کے ساتھ ۸ زید بن الحارث ۹ نبتل ابن الحارث ۱۰ بحرج ابن عیمان ۱۱ بجاد ابن عیمان ۱۲ ودیعہ ابن ثابت، اس آیت میں وَالَّذِیْنَ کے اندر ان ہی لوگوں کو مبہم رکھا گیا ہے۔

سَیَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ۔ عنقریب کہیں گے بے وقوف لوگ" بقرہ

یہاں "سفہاء" سے مراد رفاعہ بن قیس، قردوم بن عمرو، کعب بن اشرف، رافع بن حرملہ، حجاج بن عمرو، اور ربیع بن ابی الحقیق وغیرہ ہیں۔ اسی طرح قرآن پاک میں بے شمار آیتیں ہیں جن میں جمع و تثنیہ کو مبہم رکھا گیا ہے مگر سبھوں کے نام معلوم نہیں ہو سکے۔ اب میں مناسب سمجھتا ہوں کہ آیاتِ مبہمات کا ایک اجمالی خاکہ ضابطۂ تحریر میں لے آوں تاکہ مجھ جیسے طالب علموں کو قرآن فہمی میں مدد ملے اور جو وقت کتابوں کے سمندر میں غوطہ زنی و صدف یابی

میں لگ جاتا ہے وہ بچ سکے۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَیْهِ اُنِیْبُ

مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ۔ آل عمران ایک منادی ایمان کیلئے ندا فرماتا ہے۔ آیۃ ۱۹۳

مراد حضور پُر نور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓی اِلَیْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا۔ آیۃ ۹۴ النساء اور جو تمہیں سلام کرے اس سے یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں"

اس سلام کرنے والے سے مراد عامر بن اضبط یا مرداس بن نہیک ہیں، وہ اپنے قبیلہ سے چھپ کر ایمان لے آتے تھے مگر ان کا ایمان مسلمانوں پر ظاہر نہیں تھا لہٰذا دھوکہ میں انہیں مقداد بن اسود یا اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے قتل کر دیا۔

وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَیْ عَشَرَ نَقِیْبًا اور ہم نے ان میں بارہ[12] سردار قائم کئے۔ آیۃ ۱۲ المائدہ

یعنی بارہ گروہ پر ایک ایک سردار مقرر فرمایا، جنہیں سردار مقرر فرمایا گیا تھا وہ یہ تھے ۱ گروہ روبیل کے لئے شموع بن زکور ۲ گروہ شمعون کے لئے شوقط بن حوری ۳ گروہ یہودا کیلئے کالب بن یوقنا ۴ گروہ ایشاجرہ کے لئے یعورک بن یوسف ۵ گروہ افرائیم یوسفی کے لئے یوشع بن نون ۶ گروہ بنیامین کیلئے بلطی بن رفو ۷ گروہ زبالون کے لئے کرابیل بن سوری ۸ گروہ منشا یوسفی کیلئے ولد بن سوساس ۹ گروہ دان کے لئے عمائیل بن کسل ۱۰ گروہ اشیر کے لئے ستور بن میخائیل ۱۱ گروہ نفتال کے لئے یوحنا ابن وقوسی اور ۱۲ گروہ کاذکو کیلئے وال بن موخا۔

وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ ابْنَیْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ۔ آیۃ ۲۷ المائدہ اور انہیں پڑھ کر سناؤ آدم کے دو بیٹے کی سچی خبر"

ان دو بیٹوں سے مراد قابیل اور ہابیل ہیں۔ قابیل نے ہابیل کو بغض و حسد کی وجہ سے قتل کیا۔ اور یہ پہلا قتل روئے زمین پر انسانوں میں ہوا۔

وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَالَّذِیْۤ اٰتَیْنٰهُ اور اے محبوب! انہیں اُن کا احوال سنایئے
اٰیٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّیْطٰنُ جسے ہم نے اپنی آیتیں دیں تو وہ اُن سے
فَكَانَ مِنَ الْغٰوِیْنَ (آیۃ الاعراف) صاف نکل گیا۔ پھر شیطان اس کے پیچھے لگا
تو گمراہوں میں ہوگیا۔

اس آیۃ میں جس شخص کو آیات یعنی اِسم اعظم وغیرہ دینے کا ذکر ہے اس سے مراد بلعم باعور ہے جس کا عبرتناک واقعہ کتبِ تفاسیر میں مذکور ہے۔ اس نام میں اختلاف ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس کا نام بلعام بن آبر یا باعر یا باعور ہے۔ اور بعضوں نے کہا کہ اس کا نام اُمیۃ بن صلت یا صیفی بن راہب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

وَاِنِّیْ جَارٌ لَّكُمْ (آیۃ الانفال) اور میں تمہارے لئے پناہ ہوں "

ابلیس لعین نے معرکۂ بدر کے لئے کفار مکہ کو برانگیختہ کرتے ہوئے کہا کہ تم میری پناہ میں رہو گے لہٰذا کوئی مسلمان تمہارا بال بیکا نہیں کرسکے گا۔ خود ابلیس مردود سراقہ بن مالک بن جعشم بنی کنانہ کی صورت میں سرداری کا جھنڈا ہاتھ میں لئے مشرکین مکہ کے لشکر میں شریک تھا۔ لیکن جب مسلمانوں کے لئے خدا کی مدد اتری تو وہ سر پر پاؤں رکھ کر اِنِّیْۤ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ کہتے ہوئے بھاگا۔ اس آیت میں "جار" سے مراد شیطان لعین ہے جو سراقہ بن جعشم کی شکل میں تھا۔

وَفِیْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ (آیۃ توبہ) اور تم میں ان کے جاسوس موجود ہیں"

یہاں "جاسوس" سے مراد عبداللہ بن ابی، رفاعہ بن تابوت اور اوس بن قیظی ہیں جو مسلمانوں کی خبریں کفار مکہ اور یہودِ مدینہ تک پہنچایا کرتے تھے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّیْ اور ان میں کوئی آپ سے یوں عرض کرتا ہے
وَلَا تَفْتِنِّیْ۔ (آیۃ ۴۹ التوبہ) کہ مجھے رخصت دے دیجئے اور فتنہ میں
نہ ڈالئے"

جب سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کی تیاری کا حکم دیا تو جد بن قیس منافق نے اس میں شرکت سے اعراض کرتے ہوئے یہ بہانا بنایا کہ میں عورتوں کا رسیا ہوں جب رومی گوری چٹی عورتوں کو دیکھوں گا تو مجھے اپنے نفس پر قابو نہیں رہے گا۔ اس لئے مجھے تبوک جانے سے معذور رکھیں اور اس فتنہ سے بچائیں میں مدینہ ہی میں بیٹھ کر آپ کی مالی مدد کردوں گا۔ حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی ناراضگی کا اظہار فرماتے ہوئے اس سے چہرۂ مبارک پھیر لیا۔ اسی جد بن قیس کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی یعنی بہانے بنا کر رخصت چاہنے والے سے مراد جد بن قیس منافق ہے

وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّلْمِزُكَ فِی اور ان میں کوئی وہ ہے کہ صدقے بانٹنے میں آپ
الصَّدَقٰتِ۔ آیۃ ۵۸ التوبہ پر طعن کرتے ہیں۔

طعن کرنے والا ذوالخویصرہ تمیمی ہے جو امام الخوارج کہلاتا ہے۔ بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے تو ذوالخویصرہ نے کہا "یارسول اللہ! عدل کیجئے"! حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "تجھے خرابی ہو! میں عدل نہ کروں گا تو کون عدل کرے گا۔"؟

یہ سن کر امام العادلین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ مجھے اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن ماردوں"! حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اسے چھوڑ دو، اس کے اور بھی ہمراہی ہیں کہ تم ان کی نمازوں کے سامنے اپنی نمازوں کو اور ان کے روزوں کے سامنے اپنے روزوں کو حقیر دیکھو گے، وہ قرآن پڑھیں گے مگر قرآن ان کے گلے سے نہ اترے گا وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے یا تیر کمان سے "

ذوالخویصرہ تمیمی کا اصل نام حرقوص بن زہیر ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ (آیۃ التوبہ) اور ان میں کوئی وہ ہے جس نے اللہ سے عہد کیا تھا

یہاں عہد کرنے والے سے مراد ثعلبہ بن حاطب منافق ہے۔

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ اور کچھ دوسرے ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں (آیۃ ۱۰۲ التوبہ) کا اعتراف کیا۔

غزوۂ تبوک میں شرکت نہ کرنے والوں میں کچھ وہ حضرات بھی تھے جنہیں اپنی غلطیوں کا شدید احساس ہوا اور وہ نادم ہو کر عذر خواہی کے لئے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو گئے انہیں میں حضرت لبابہ اور ان کے بعض ساتھی بھی تھے۔ اللہ و رسول جل وعلیٰ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے عذر کو قبول فرماتے ہوئے معافی دے دی۔

وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اور کچھ لوگ موقوف رکھے گئے اللہ کے حکم پر (التوبہ)

غزوۂ تبوک میں شرکت نہ کرنے والے لوگ تین گروہ میں منقسم ہو گئے۔ ایک وہ جنہوں نے اپنے نفاق و عداوت کی وجہ سے بہلانے بنا کر شریک نہ ہوتے اور شریک ہونے والوں کا مذاق اڑایا۔ قرآن عظیم نے صراحۃً اس کے بارے میں فرما دیا کہ ان کا حیلہ تراشنا کام نہ دے گا وہ اپنے ان کرتوت کے سبب کافر و جہنمی ہو گئے، اب انہیں عذابِ الٰہی سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ (بہلانے نہ بناؤ تم کافر ہو گئے ظاہراً ایمان لانے کے بعد) اب اگر ان بدبختوں کے لئے سارے ایمان والے بھی مل کر ان کی بخشش و نجات کے لئے دعا و استغفار کریں تو ان کی سفارش و دعا، خداوندِ قدوس کی بارگاہِ عالی میں قابلِ قبول نہ ہو گی کیونکہ انہوں نے قرآن، اسلام اور پیغمبرِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مذاق کیا ہے۔ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ، اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ، ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ (تم ان کی معافی چاہو یا نہ چاہو۔ اگر تم ستر بار ان کی معافی چاہو گے تو اللہ ہرگز انہیں نہیں بخشے گا۔ یہ اس لئے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے منکر ہوئے)

اور غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے والوں میں دوسرا گروہ ہے جنہیں عدم شرکت کی وجہ سے ندامت و شرمندگی دامن گیر ہو گئی وہ مظفر و منصور مجاہدینِ اسلام کے استقبال کے لیئے مدینہ منورہ سے محض اس لیے باہر نہیں نکلے کہ اب ہم اسلام کے مجاہدین اور پیغمبرِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنا چہرہ دکھلانے کے لائق نہ رہے۔ لہٰذا اس گروہ کے سربراہ حضرت لبابہ اپنے ساتھیوں کیساتھ مسجد نبوی شریف میں پہنچے اور لشکرِ اسلام کے ورود سے قبل اپنے آپکو ستون سے مضبوط رسیوں کے ذریعہ باندھ دیا کہ جب تک سرورِ کائنات علیہ ازکی التسلیمات اپنے ہاتھوں سے نہیں کھولیں گے ہم آزاد نہیں ہوں گے چاہے موت ہی کیوں نہ آجاتے۔

مدینہ منورہ میں تشریف آوری کے بعد رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابتداءً حضرت لبابہ اور ان سب کے ساتھیوں کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی اور اس کا فیصلہ خدائے احکم الحاکمین پر چھوڑ دیا۔ چند دنوں کے بعد ان کی معافی کا پروانہ بصورتِ وحی آیا اور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھوں سے حضرت لبابہ کو آزاد فرمایا۔

اور تیسرے گروہ کا معاملہ موقوف کر دیا گیا ہے جس کا ذکر اس آیت وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ میں ہے کہ خدا کی رحمت چاہے تو انہیں معاف کر دے اور اس کا عدل چاہے تو جہنم کی عبرتناک سزا دے۔ جو لوگ موقوف رکھے گئے ہیں وہ مدینہ کے تین سربرآوردہ اشخاص ہیں ۱۔ ھلال بن امیہ۔ ۲۔ مرارہ بن ربیع ۳۔ کعب بن مالک۔

لِمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ جو پہلے ہی سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم (آیۃ ۱۰۷ التوبہ) کا مخالف تھا۔

یہاں مخالف و محارب سے مراد ابو عامر راہب ہے۔

اَفَمَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّہٖ وَ یَتْلُوْہُ شَاھِدٌ مِّنْہُ (آیت۱۷ الہود) تو کیا جو اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہو اور اس پر اللہ کی طرف سے گواہ آئے۔

یہاں "روشن دلیل" سے وہ دلائل عقلیہ مراد ہیں جو اسلام کی حقانیت پر دلالت کریں۔ اور "جو رب تعالیٰ کی عنایت سے روشن دلیل پر ثابت قدم ہو" سے مراد یا تو جانِ رحمت شمعِ ہدایت حضور پُر نور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات ہے، یا حضرت عبد اللہ بن سلام ہیں جو توریت و انجیل کے جلیل القدر عالم تھے، اور حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کرتے ہی اپنی عقل و ذہانت سے پہچان کر شو دل سے قربان ہونے لگے۔ اور اس آیۃ میں "گواہ" سے مراد یا تو قرآن عظیم یا جبریل امین، یا سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت ابوبکر و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

وَنَادٰی نُوْحُ نِ ابْنَہٗ (آیت۴۲ الھود) اور نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا (سورۂ ہود)

حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کا نام کنعان تھا، بعض نے کہا اس کا نام "یام" تھا اور وہ منافق تھا۔

وَامْرَاَتُہٗ قَآئِمَۃٌ فَضَحِکَتْ فَبَشَّرْنٰھَا بِاِسْحٰقَ (آیت۷۱ الھود) اور اس کی بیوی کھڑی تھی وہ ہنسنے لگی تو ہم نے اسے اسحاق کی خوشخبری دی۔

اِس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی حضرت سارا رضی اللہ عنہا مراد ہیں۔

قَالَ یٰقَوْمِ ھٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِیْ (آیت۷۸ الھود) لوط نے کہا اے میری قوم یہ میری قوم کی بیٹیاں ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کی عورتوں کو بزرگانہ شفقت کی وجہ سے اپنی بیٹیاں فرمایا تاکہ بے غیرت قوم میں کچھ تو حمیت کا جذبہ بیدار ہو، اور وہ غیر فطری عمل سے باز آجائیں ویسے حضرت لوط علیہ السلام کی دو بیٹیاں بھی تھیں جن کا نام ریثا اور رغوتا تھا۔

وَاِذْ قَالُوْا لَیُوْسُفُ وَاَخُوْہُ (آیت۸ یوسف) جب بولے کہ ضرور یوسف اور اس کا بھائی "

یہاں حضرت یوسف کے بھائی سے مراد بنیامین ہیں کہ دونوں ایک ہی ماں کے بطن سے تھے۔ واضح ہو کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے پہلا نکاح اپنی ماموں زاد بہن لیّا بنت لیّان سے کیا جن سے چھ فرزند ہوئے۔ دو حرم تھیں جن سے چار صاحبزادے ہوئے۔ پھر لیّا کے انتقال کے بعد آپ نے دوسرا نکاح ان کی چھوٹی بہن راحیل سے کیا جن سے حضرت یوسف اور بنیامین پیدا ہوئے۔

قَالَ قَآئِلٌ مِّنْھُمْ لَا تَقْتُلُوْا یُوْسُفَ (آیت۱۰ یوسف) ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ یوسف کو قتل نہ کرو۔

یہ "قائل" روبیل یا یہودا تھا۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ قتل سے روکنے والا شمعون تھا

فَاَرْسَلُوْا وَارِدَھُمْ (آیت۱۹ یوسف) انہوں نے اپنا پانی لانے والا بھیجا۔ جس کا نام مالک بن دعر خزاعی تھا اور وہ مدین کا رہنے والا تھا۔

قَالَ الَّذِی اشْتَرٰىہُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِہٖ (آیت۲۱ یوسف) اور مصر کے جس شخص نے اُسے خریدا وہ اپنی عورت سے بولا۔

خریدنے والے کا نام قطفیر یا اطیفیر تھا جو عزیز مصر کہلاتا تھا۔ اس وقت ملکِ مصر کا بادشاہ ریّان بن ولید عمالیقی تھا۔ اور جو پورے ملک کا مدار المہام ہوتا تھا اسے عزیزِ مصر کہتے تھے۔ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اسی عزیزِ مصر یعنی قطفیر نے خریدا تھا، اس کی بیوی کا نام راعیل یا زُلیخا تھا اور زیادہ مشہور زلیخا ہی ہے۔

وَدَخَلَ مَعَہُ السِّجْنَ فَتَیٰنِ (یوسف) اور اس کے ساتھ قید خانہ میں دو جوان داخل ہوئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ جو دو جوان قید خانہ میں داخل کئے گئے ان میں ایک شاہی باورچی خانہ کا نگہبان تھا دوسرا شاہی دربار کا ساقی تھا

دونوں پر یہ الزام تھا کہ انہوں نے بادشاہ ریّان کو زہر دینے کی سازش کی تھی۔ مطبخ کے مہتمم کا نام راشان اور ساقی کا نام مرطش تھا۔

قَالَ كَبِيْرُهُمْ (آیت۸۰ یوسف) ان کا بڑا بھائی بولا "

حضرت یوسف علیہ السلام کے سوتیلے بڑے بھائی کا نام شمعون یا روبیل تھا۔

اٰوٰى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ (آیت۹۹ یوسف) "یوسف نے اپنے والدین کو اپنے پاس جگہ دی"

والدین سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام، اور آپ کی والدہ راحیل ہیں، بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ آپ کی والدہ کا انتقال ہوگیا تھا اور یہاں والدہ سے خالہ مراد ہے۔

وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ (آیت۴۳ الرعد) اور وہ جسے کتاب کا علم ہے "

جسے کتب آسمانی کا علم عطا فرمایا گیا وہ علمائے یہود تھے یا علمائے نصاریٰ، یہ دونوں اپنی اپنی کتابوں کی روشنی میں حضور خاتم الانبیاء علیہ وعلیہم السلام کو خوب اچھی طرح جانتے اور پہچانتے تھے، دل ہی دل میں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان بھی رکھتے تھے۔ مگر اپنی قوم کے سامنے اظہار کرتے ہوئے ڈرتے تھے۔ کیونکہ ان کی قوم یہود و نصاریٰ بغض و عناد کی وجہ سے رسولِ ختمی مرتبت علیہ السلام والتحیۃ کی رسالت و نبوت کا منکر تھی۔ اس آیت میں یا تو علمائے یہود و نصاریٰ مراد ہیں یا حضرت عبد اللہ بن سلام جو اعظم علمائے یہود تھے۔ مگر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ پُر نور کو دیکھتے ہی اپنے ایمان کا اظہار کر دیا اور حلقۂ اسلام میں داخل ہوگئے۔

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ (آیت۳۷ ابراہیم) اے ہمارے رب! میں نے اپنی کچھ اولاد ایک وادی میں بسائی جس میں کھیتی نہیں ہوتی ہے "

یہاں ذریت سے مراد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی اولاد ہے۔ اور "وادی غیر ذی زرع" سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔

قرآنی علوم ۹۲ آیاتِ مبہمات

رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ (آیت۴۱ ابراہیم) اے ہمارے رب! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور سب مسلمانوں کو جس دن حساب قائم ہوگا۔"

یہ دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہے۔ "والدین" سے مراد حضرت آدم و حوا ہیں، یا آپ کے حقیقی والد و والدہ یعنی تارح اور شانی۔ بطریق مجہول مشہور ہوگیا ہے کہ آپ کے والد کا نام آزر اور والدہ کا نام نوفا تھا۔ (الاتقان) واللہ اعلم

اِنَّا كَفَیْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِیْنَ (آیت۹۵ الحجر) بیشک ان ہنسنے والوں پر اے محبوب! ہم تجھے کفایت کرتے ہیں "

کفار قریش کے پانچ سردار اکثر و بیشتر حضور سید العالمین محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر طعن کرتے اور تمسخر اڑاتے تھے۔ اس آیۂ کریمہ میں انہیں استہزا کرنے والوں کا ذکر ہے (۱) ولید بن مغیرہ (۲) عاص بن وائل (۳) ابو زمعہ اسود بن مطلب (۴) حارث بن قیس (۵) اسود بن عبد یغوث، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان پانچوں سے متنفر رہتے اور بعضوں پر دعا بھی فرماتے۔ ایک دن حضرت جبرئیل علیہ السلام سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوئے جبکہ آپ مسجد حرام میں رونق افروز تھے۔ اتنے ہی میں یہ پانچوں خبثا آئے اور آپ کی شان اقدس میں مذاحیہ کلمات بکنا شروع کیا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ولید بن مغیرہ کی پنڈلی کی طرف، عاص بن وائل کے تلوے کی طرف ابو زمعہ کی آنکھوں کی طرف، حارث بن قیس کے سر کی طرف اور اسود بن عبد یغوث کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا اور کہا میں ان کا شر دفع کروں گا "

چنانچہ چند ہی دنوں کے بعد ولید بن مغیرہ ایک تیر فروش کی دوکان کے قریب سے گذر رہا تھا اس کی تہبند میں ایک پیکان چبھ گیا مگر اس نے تکبر و غرور کی وجہ سے سر جھکا کر اسے نکالنا پسند نہیں کیا جس سے اس کی پنڈلی میں زہریلا

زخم ہوگیا۔ اسی کے درد سے کراہتا ہوا مر گیا۔

عاص بن وائل کے تلوے میں ایک نہایت باریک کانٹا چبھ گیا جس کو تلاشِ بسیار کے بعد بھی نکالنے پر قادر نہیں ہوا۔ اس کی وجہ سے پاؤں ورم کر گیا۔ اور وہ بھی دردِ مسلسل میں مبتلا ہو کر چل بسا۔

ابو زمعہ کی آنکھوں میں ایسا ناگہاں درد شروع ہوا کہ وہ اپنا سر دیوار سے ٹکراتا تھا اور یہ کہتا جاتا تھا کہ مجھے اذیتیں دے دے کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قتل کر رہا ہے۔ بالآخر وہ اسی طرح مر گیا۔

حارث بن قیس کی ناک سے خون اور پیپ جاری ہوا جو کافی دوا دارو کے باوجود نہیں رک سکا اور وہ اسی میں ھلاک ہوگیا۔

اسود بن عبد یغوث کو لو لگ گئی اس کا چہرہ جھلس گیا جس کی وجہ سے اس کا پہچانا جانا دشوار ہوگیا، گھر کے لوگوں نے اسے گھر سے نکال دیا پھر اسے استسقاء کی بیماری ہوگئی۔ پانی پی پی کر پیٹ پھلا لیا مگر پیاس نہیں بجھی۔ وہ پانی پر پانی پیتے جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا رب قتل کر رہا ہے۔ بالآخر وہ بھی ہلاک ہوگیا۔ (نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ اِسْتِهْزَاءِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْاَوْلِيَاءِ وَالْعُلَمَاءِ) یہ دنیاوی سزا تھی جو ان نابکاروں کو ملی اور آخرت کی سزا تو ایسی عبرتناک ہوگی کہ اس کی کیفیت کو بیان کرنا ہی ممکن نہیں ہے۔

رَجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَیْءٍ (آیۃ ۷۶ النحل۔) دو مرد، ان میں ایک گونگا جو کچھ کام نہیں کر سکتا۔

یہ مثال عام کافر کی ہے یا اس سے مراد اسید بن ابو العیص ہے۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِیْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا (آیۃ ۹۲ النحل) اور اس عورت کی طرح نہ ہو جس نے اپنا سوت مضبوطی کے بعد ریزہ ریزہ کر کے توڑ دیا۔

یہاں عورت سے مراد مکہ کی وہ عورت ہے جو اپنی باندیوں کے ساتھ صبح سے زوال آفتاب

تک نہایت محنت و دیدہ ریزی کے ساتھ سوت کاتی تھی اور زوال کے بعد وہم اور فتورِ عقل کی وجہ سے سب سوت کو توڑ توڑ کر ریزہ کر دیا کرتی تھی۔ اور اس وجہ سے وہ اپنی بے وقوفی میں مشہور تھی۔ وہ ریطہ بنت سعید بن زید مناۃ بن تمیم تھی۔

يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ (آیۃ ۱۰۳) وہ کہتے ہیں کہ یہ تو کوئی آدمی سکھاتا ہے (نحل)

قرآن کریم کے تعلق سے جہاں کفار مکہ کے بہت سارے وہم و بکواس تھے وہیں وہ یہ بھی کہتے تھے کہ قرآن کا علم محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کوئی بشر دیتا ہے۔ اور اس بشر سے مراد وہ عبد ابن حضرمی کو لیتے تھے جس کا مشہور نام مقیس تھا۔ یا یہ سمجھتے تھے کہ مقیس کے دونوں عجمی غلام مقیس کے ذریعہ محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کچھ کلمات سکھلاتے ہیں جسے وہ قرآن کا نام دے دیتے ہیں۔ ان غلاموں کا نام یسار اور جبر تھا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ کفار و مشرکین اس کی تہمت حضرت سلمان فارسی پر لگاتے تھے یا مکہ کے ایک شخص بلعام پر۔ اور یہاں بشر سے مراد یہی لوگ ہیں۔

اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ (آیۃ ۹) پہاڑ کی کھوہ اور جنگل کے کنارے والے۔ (الکہف)

"رقیم" سے مراد وہ وادی ہے جس میں اصحاب کہف ہیں۔ اور قوی ترین اقوال کے مطابق اصحاب کہف سات افراد پر مشتمل ہیں جن کے سردار تملیخا (وفی روایۃ بالیاء) اور بروایت دیگر مکسلمینا (وَفِیْ رِوَایَۃٍ بالتاء تکسلمینا) ہے۔ روایات کو آپس میں تطبیق دینے سے معلوم ہوتا ہے کہ سردار تملیخا یا یملیخا تھے، مگر مکسلمینا (تکسلمینا) عمر میں سب سے بڑے تھے، اس لئے بعض مفسرین نے مکسلمینا کو سردار قرار دیا ہے۔ اسی سورۂ کریمہ میں آگے چل کر "قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ" (آیۃ ۱۹) میں قائل مکسلمینا (تکسلمینا) اور مخاطب مرطوش، برافش، ایونس اویسطانس، اور شلطیوس ہیں۔ ان ناموں میں مفسرین و محققین کے درمیان اختلاف بھی ہے۔

مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا (آیت ۲۸ الکہف) جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا۔

یوں تو عام کافروں کا دل یادِ الٰہی سے غافل ہے۔ مگر اس آیت میں مکہ کا ایک شریر کافر عُیینہ بن حصن مراد ہے۔ جو خدمتِ عالیہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں صرف اس وجہ سے حاضر نہیں ہوتا تھا کہ یہی بارگاہ غریبوں، یتیموں اور غلاموں کی پناہ گاہ تھی اور اسے شکستہ حال لوگوں کے ساتھ بیٹھنے میں شرم آتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ سزا دی کہ اسے خواہشاتِ نفسانی کا بندہ بنا دیا اور اپنی یاد سے اس کے دل کو دور کر دیا۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ (آیت ۶۰ الکہف) اور جب موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا۔

"فتیٰ" سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ولی عہد و خلیفہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام ہیں جو آپ کی خدمت و صحبت میں رہتے تھے اور علومِ ربانی اخذ فرماتے تھے۔ بعض مفسرین کرام نے فرمایا کہ فتیٰ سے مراد حضرت یوشع کے بھائی یثربی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا (آیت ۶۵ الکہف) تو ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ پایا۔

"عبد" سے مراد حضرت بلیا بن ملکان ہیں جن کی کنیت ابو العباس اور لقب خضر ہے اس کو تینوں طرح سے پڑھنا صحیح ہے (خِضر، خَضر، خَضِر) حضرت ابو العباس بلیا کے اس لقب کی وجہ یہ ہے کہ جہاں جلوس فرماتے وہ جگہ سرسبز و شاداب ہو جاتی اگرچہ پہلے سے خشک و بنجر ہو۔ حضرت خضر علیٰ نبینا وعلیہ السلام کی نبوت میں اختلاف ہے مگر بعض علومِ باطنی اور علوم مکاشفہ میں آپ کا تخصص مسلّم ہے۔

حَتّٰۤى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ (آیت ۷۴ الکہف) یہاں تک کہ جب ایک لڑکا ملا تو اس بندہ نے اسے قتل کر دیا۔

"غلام" سے مراد وہ نوجوان ہے جس کو حضرت خضر علیٰ نبینا وعلیہ السلام نے قتل فرما دیا تھا اور اس کا نام جیسون یا حیسون تھا۔

وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ (آیت ۷۹ الکہف) ان کے پیچھے ایک بادشاہ تھا۔

"ملک" سے مراد ھدد بن بدد یا جلندی ہے جو نہایت ظالم بادشاہ تھا۔ اپنی رعیت کو بلاوجہ ظلم و ستم کا نشانہ بناتا رہتا تھا۔

وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ (آیت ۸۰ الکہف) اور وہ جو لڑکا تھا، اس کے ماں باپ مسلمان تھے۔

"غلام"، یعنی جیسون کے باپ کا نام کازیرا اور ماں کا نام سہوہ تھا۔

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ (آیت ۸۲ الکہف) رہی وہ دیوار تو وہ (شہر کے) دو یتیم لڑکوں کی تھی۔

ان دونوں لڑکوں کا نام اصرم اور صریم تھا۔ اور ان کا باپ نہایت ہی نیک اور شریف آدمی تھا جس کا نام کاشح تھا۔

فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَاۤ اَلَّا تَحْزَنِیْ (آیت ۲۴ مریم) تو اسے (مریم کو) اس کے نیچے سے پکارا کہ غم نہ کھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ حضرت مریم نے حضرت عیسیٰ کو جنم دیا تو ان پر بھوک اور پیاس کا غلبہ ہوا اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی خیال آیا کہ اگر قوم نے نومولود (عیسیٰ علیہ السلام) کے متعلق سوال کیا تو اس کا کیا جواب دوں گی اس حالتِ تنہائی و مایوسی میں حضرت عیسیٰ نے پیدا ہوتے ہی زمین پر ایڑی رگڑی جس سے صاف و شفاف ٹھنڈے پانی کا چشمہ اُبل آیا۔ پھر حضرت عیسیٰ نے اپنی والدہ ماجدہ سے فرمایا کہ "یہ پانی پیجئے اور اس کھجور کے سوکھے درخت کو ہلا دیجئے آپ کے لئے تازہ اور پکے پھل گریں گے۔ اس سے اپنی بھوک کا علاج کیجئے، اور قوم کے سوال کا غم مت کھائیے۔ آپ بولنے کا روزہ رکھ لیجئے، قوم کے سوالات کا جواب میں دوں گا۔" اس آیۂ کریمہ میں پکارنے

والے سے مراد حضرت عیسٰی علیہ السلام ہیں۔ اور ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت جبریل علیہ السلام ہیں جنہوں نے وہاں اپنا پَر مار کر چشمہ بہایا تھا۔

وَيَقُولُ الْإِنسَانُ أَإِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا (آیت ۶۶ مریم) اور آدمی کہتا ہے کیا جب میں مرجاؤں گا تو ضرور عنقریب زندہ کرکے نکالا جاؤں گا۔

یہاں "انسان" سے مراد وہ کفار و مشرکین ہیں جو موت کے بعد زندہ کئے جانے کے منکر ہیں۔ لیکن یہ آیت خاص طور سے اُبی ابن خلف، امیہ بن خلف اور ولید بن مغیرہ کے حق میں نازل ہوئی۔ لہٰذا خصوصیت کے ساتھ یہ ہی سربراہان کفار مراد ہیں۔

أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا (آیت ۷۷ مریم) تو کیا تم نے اسے دیکھا جو ہماری آیتوں سے منکر ہوا۔

آیاتِ ربانیہ کے انکار کرنے والے سے مراد عاص بن وائل ہے۔

وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنَاكَ مِنَ الْغَمِّ (آیت ۴۰ طٰہٰ) اور تو نے ایک جان کو قتل کیا تو ہم نے تجھے غم سے نجات دی۔

اس آیتِ مقدسہ میں اس قتل کی طرف اشارہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بارہ سالہ عمر شریف میں ایک فرعونی قبطی کافر کو گھونسہ مار کر کیا تھا۔ اس قبطی کافر کا نام فاتون تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس قتل کی وجہ سے اندیشہ تھا کہ کہیں فرعون اپنے ظلم و جبر کا نشانہ نہ بنالے۔ اللہ تعالیٰ نے اس غم و اندیشہ سے آپ کو نجات دی۔

وَأَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ (آیت ۸۵ طٰہٰ) "اور انہیں سامری نے گمراہ کردیا۔"

سامری قوم بنی اسرائیل سے تھا، اس کا نام موسیٰ بن ظفر تھا۔ گاؤ پرستی کا موجد وہی ہے۔

مِنْ أَثَرِ الرَّسُولِ (آیت ۹۶ طٰہٰ) فرشتہ کے نشان سے "رسول سے مراد حضرت جبریل۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُّنِيرٍ (آیت ۸ الحج) اور کوئی آدمی وہ ہے کہ اللہ کے بارے میں یوں جھگڑتا ہے کہ نہ تو علم نہ کوئی دلیل اور نہ کوئی روشن نوشتہ۔

یوں تو عام کافروں کی عادت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف ایسے اوصاف کی نسبت کرتے ہیں جو اس کی شان کے لائق نہیں۔ اور طرّہ یہ کہ وہ اپنے دعوؤں پر بے حجت و دلیل کے مُصر ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے دنیا کی ذلت اور آخرت کا عذاب مقدر کر رکھا ہے جس کا ذکر اس کے بعد والی آیت میں ہے مگر آیتِ مذکورہ میں جن جھگڑالو کافروں کا ذکر خصوصیت سے ہے وہ نضر بن حارث اور ابوجہل وغیرہ ہے۔

هَٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ (آیت ۱۹ الحج) یہ دو گروہ ہیں جو اپنے رب کے بارے میں جھگڑے۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ یہ آیت حضرت حمزہ، حضرت عبیدہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم، اور عتبہ، شیبہ نیز ولید بن عتبہ کے حق میں نازل ہوئی۔ یعنی آیت میں فریقِ اول سے مراد حضرت حمزہ، حضرت عبیدہ و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔ اور فریقِ ثانی سے مراد عتبہ، شیبہ اور ولید بن عتبہ ہیں۔ ان دونوں فریقوں کے درمیان تقدیس و تسبیح الٰہی کے متعلق گفتگو ہوئی تھی۔ فریقِ ثانی چونکہ تقدیسِ ربوبیت کا معترف نہیں تھا اس لئے اسی آیۃ کریمہ میں ان کے لئے آگ کے کپڑے اور سروں پر کھولتا جہنمی پانی کی وعید سنائی گئی ہے جبکہ فریقِ اول کے لئے جنت اور اس کی نعمتوں کی بشارت دی گئی ہے۔

وَمَن يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ (آیت ۲۵ الحج) اور جو اس میں کسی زیادتی کا ناحق ارادہ کرے ہم اُسے دردناک عذاب چکھائیں گے۔

"فِیْہِ" سے مراد حرمِ مکہ ہے مفسرین کرام نے فرمایا کہ "اِلْحَادٍ بِظُلْمٍ" سے مراد ہر وہ ممنوع قول و فعل ہے جس سے شریعت اسلامیہ نے منع کیا ہے۔ حتیٰ کہ اپنے خادم و نوکر کو گالی دینا، حرم شریف میں بغیر احرام کے داخل ہونا، وغیرہ بھی اس میں داخل ہے۔ مگر یہ آیت ایک خاص واقعہ کے تعلق سے نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عبداللہ بن اُنیس کو دو آدمیوں کے ساتھ مکہ بھیجا۔ حدودِ حرم میں داخل ہونے کے بعد ان دونوں آدمیوں نے (جن میں ایک مہاجر تھے اور دوسرے انصاری) اپنے اپنے مفاخرِ نسب کو بیان کرنا شروع کیا تو عبداللہ بن اُنیس کو سخت غصہ آیا۔ پھر سمجھانے بجھانے کی بجائے اس نے انصاری کو قتل کر دیا اور خود مرتد ہو کر مکہ مکرمہ میں داخل ہو گیا۔ تو اس آیت میں عبداللہ بن انیس کی خصوصیت سے سرزنش کی گئی ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ؕ (ایت ۱۱ النور) بے شک وہ جو بڑا بہتان لائے تمہیں میں کی ایک جماعت ہے" (سورۂ نور)

یہ بہتان بڑا ہی دل دوز و جگر سوز ہے جو منافقوں نے حضرتِ سیدہ طیبہ طاہرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر اٹھایا تھا۔ یہ سازش اتنی منظم اور بھرپور تھی کہ بعض سادہ لوح مقرب صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی منافقوں کی سازش میں آ گئے تھے۔ اور اس بہتان کا ایسا گہرا اثر سیدہ صدیقہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر پڑا کہ آپ روتی روتی جاں بلب ہو گئیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور صحابیاتِ عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہن قسمیں کھا کھا کر حضرت سیدہ طیبہ طاہرہ کی برأت کو بیان کرتیں۔ مگر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا آنسو تھمنے کا نام نہیں لیتا تھا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے

پورے اہتمام کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی برأت و پاکدامنی کو بذریعۂ وحی بیان فرمایا۔ اس آیت کریمہ میں انہیں بہتان تراشنے والے گروہ کا ذکر ہے۔ جس کا سرغنہ عبداللہ بن اُبی رأس المنافقین تھا۔ اور رکنِ خصوصی مسطح بن اثاثہ، حمنہ بنت جحش وغیرہما تھے۔

وَیَوْمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیْهِ اور جس دن ظالم اپنے ہاتھ چبا ڈالے گا۔" (فرقان ۲۷)

قیامت کے دن حسرت و ندامت سے اگرچہ ہر کافر اپنے ہاتھوں کو چبائے گا لیکن یہ آیت خاص طور پر عقبہ بن ابی معیط کے حق میں نازل ہوئی جو ایمان لانے کے بعد عبداللہ بن ابی ابن خلف راس المنافقین کے بہکاوے پر مرتد ہو گیا اور دیدہ دلیری کے ساتھ اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف بکواس کرنے لگا۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عقبہ کے قتل کئے جانے کی خبر دی جس سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو خوشی ہوئی۔ چناں چہ میدان بدر میں وہ نہایت ذلت کے ساتھ مارا گیا۔ اس آیت میں ظالم عقبہ بن ابی معیط کو کہا گیا ہے جو اپنے ارتداد پر سخت افسوس کرے گا اور حسرت و ندامت میں اپنے ہاتھوں کو بار بار چبائے گا اور کہے گا" اے کاش! میں نے رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہ چھوڑا ہوتا، اور ازلی بدبخت (ابن اُبی) کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا۔" (لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِیْلًا (ایۃ ۲۸ الفرقان)

وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰی رَبِّهٖ ظَهِیْرًا ۝۵۵ اور کافر اپنے رب کے مقابلہ میں شیطان کو مدد دیتا ہے

کیونکہ کافر شرک و بت پرستی کرتا ہے جس سے شیطانی پروگرام اور اس کی خواہشات کو تقویت ملتی ہے اور یہی اُس کی مدد ہے۔ اس کلیہ میں اگرچہ ہر کافر و مشرک داخل ہے، مگر اس آیت میں خصوصیت کے ساتھ جسے "اَلْكَافِرُ" کہا گیا ہے اس سے ابوجہل مراد ہے جیسا کہ امام شعبی کا قول ہے۔

اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً میں نے ایک عورت دیکھی کہ ان پر

تَمْلِكُهُمْ ، (آیت ۲۳ النمل) بادشاہی کر رہی ہے۔ (سورۂ نمل)

بادشاہی کرنے والی عورت سے مراد بلقیس بنتِ شراحیل ہے جو اپنی بادشاہی کے زمانہ میں کافرہ تھی۔ پھر ایمان لا کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے حرم سرا میں داخل ہو گئی۔

فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ (آیت ۳۶ النمل) پھر جب وہ سلیمان کے پاس آیا۔ (سورۂ نمل)

بلقیس کا ہدیہ و پیغام لے کر جو جماعت حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں آئی، اس جماعت کے سردار کا نام منذر تھا، اس آیت میں جاء کا فاعل ہے۔

قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ (آیت ۳۹ النمل) ایک بڑا خبیث جن بولا۔ (سورۂ نمل)

اس خبیث جن کا نام کوزن تھا جو بعض مہم کو انجام دینے کے لئے دربارِ سلیمان میں مقرر تھا۔

قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ ، اس نے عرض کیا جسکے پاس کتاب کا علم تھا۔ آیت ۴۰ النمل

مفسرین کرام رحمہم اللہ تعالٰے کے درمیان اس بات میں بڑا اختلاف ہے کہ خبیث جن کی درخواست مسترد ہو جانے کے بعد تختِ بلقیس کو پلک جھپکتے ہی حاضر کر دینے کی بات کس نے کہی تھی؟ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس شخص کا نام ذوالنور تھا یا اسطوم۔ بعض نے کہا وہ تملیخا یا بلیخ تھے۔ اور بعض نے کہا کہ وہ جبریل یا خضر تھے لیکن مفسرین کی اکثریت اس بات پر ہے کہ وہ آپ کے وزیر یا کاتبِ خاص حضرت آصف بن برخیا تھے جو ایماندار و عامل تھے اور اسمِ اعظم شریف جانتے تھے۔

وَكَانَ فِی الْمَدِیْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ اور شہر میں نو شخص تھے کہ زمین میں فساد
یُّفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَلَا کرتے اور اصلاح نہیں چاہتے تھے۔
یُصْلِحُوْنَ (آیت ۴۸ النمل) (سورۂ نمل، آیت ۴۸)

قومِ ثمود کے شہر حجر کے اُن نو شخصوں کا ذکر ہے۔ جو نہایت بدکردار و شہوت شعار

تھے جنہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کے معجزاتی ناقہ کی کونچیں کاٹ ڈالی تھیں اور آپ کے حرم سرا میں شبخون مارا تھا۔ ان کے سردار کا نام قدار بن سالف تھا اور بقیہ کے نام یہ تھے (۱) رعمی (۲) رعیم (۳) ہرمی (۴) ہریم (۵) شداب (۶) صواب (۷) رُئاب (۸) مسطع ۔

فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ (الخ) تو اسے اٹھالیا فرعون کے گھر والوں نے (آیت ۸ القصص)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے بعد ان کی والدۂ محترمہ نے انھیں تین ماہ دودھ پلایا پھر جب انہیں فرعون اور فرعونیوں کی طرف سے اس بات کا خوف ہوا کہ کہیں حضرت موسیٰ قتل نہ دیئے جائیں تو بحکم الٰہی ایک مخصوص صندوق بنوایا اور اُس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رکھ کر دریا میں ڈال دیا۔ جس کو فرعون کے خاص الخاص محافظ نے دریا سے اٹھالیا اور فرعون کے سامنے اسے کھولا، تو دیکھا کہ ایک نہایت خوبصورت بچہ اپنے انگوٹھوں کو چوس رہا ہے اور مسکرا رہا ہے۔ فرعون کے دل میں اس بچہ کی محبت پیدا ہو گئی اور فرعون ہی کے محل میں اس کی پرورش و پرداخت شروع ہو گئی جس میں فرعونی نے صندوق اٹھایا تھا اس کا نام طایوس یا سمعان تھا۔

وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَیْنٍ لِّیْ وَلَكَ ، (آیت ۹ القصص) اور فرعون کی بیوی نے کہا (یہ بچہ) میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

فرعون کی اس بیوی کا نام آسیہ بنت مزاحم ہے جو فرعون کے گھر میں رہ کر بھی بہت ہی خدا ترس اور نیک خاتون تھیں۔ بعد میں حضرت موسیٰ پر ایمان بھی لائیں۔

وَاَوْحَیْنَآ اِلٰۤی اُمِّ مُوْسٰۤی (آیت ۷ قصص) اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو الہام فرمایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں ولیہ کاملہ تھیں۔ ان کے نام میں اختلاف ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا ان کا نام یوخا، یا اباذخت ہے۔ لیکن اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ ان کا نام یوحانذ بنت یصہر ہے۔ اور آپ لاوی ابن یعقوب کی نسل سے تھیں

وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ اور (موسیٰ کی ماں نے) اس کی بہن سے کہا اسکے پیچھے چلی جاؤ۔ (پ۲۰ القصص، آیۃ ۱۱) (سورۂ قصص آیۃ ۱۱)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کا نام مریم یا کلثوم تھا۔

هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ۔ ایک موسیٰ کے گروہ سے تھا اور دوسرا اس کے دشمنوں سے۔" (پ۲۰ القصص، آیۃ ۱۵)

جو اسرائیلی تھا یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے گروہ سے اس کا نام سامری اور جو قبطی تھا اس کا نام فاقون تھا۔ سامری نے اپنی مدد کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آواز دی۔ (فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ) ۔ جو موسیٰ کے گروہ سے تھا اس نے موسیٰ سے استغاثہ طلب کیا اس پر جو اس کے دشمنوں سے تھا۔" (پ۲۰ القصص) حضرت موسیٰ علیہ السلام سامری کی فریاد رسی کے لئے جائے وقوعہ پر پہنچے پھر فرعونی قبطی کو بہت سمجھایا، مگر وہ ظلم پر آمادہ ہی رہا باز نہیں آیا۔ بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر زبانِ طعن کو دراز کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تحدیدًا اسے گھونسہ رسید فرمایا جس کی تاب نہ لا کر راہیِ ملکِ عدم ہو گیا۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دشمنوں کے مقابلہ میں نبیوں اور ان کے وارثوں سے استغاثہ طلب کرنا اور بروقت فریاد رسی کے لئے ان کا پہنچنا، دونوں صحیح ہے۔ اگر مدد طلب کرنا درست نہ ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام فورًا اس کی اصلاح فرما دیتے یا مدد ہی کے لئے نہیں جاتے۔ پھر قرآن پاک نے من و عن اس واقعہ کو نقل فرمایا اور استغاثہ کا انکار نہیں فرمایا۔ ہاں وہ استغاثہ ممنوع و ناجائز ہے جو خدائے پاک کے دشمنوں سے طلب کیا جائے۔ اَلْعِيَاذُ بِاللّٰهِ تعالیٰ۔

وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَى الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى۔ اور شہر کے انتہائی کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا۔ (پ۲۰ القصص)

فرعون کے دربار میں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا فیصلہ ہو گیا۔ تو

وہی آلِ فرعون جس نے آپ کو دریا سے نکالا تھا چھپ چھپا کر دوڑتا ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوا اور حقیقتِ حال سے مطلع کیا۔ وہ جو آلِ فرعون کے لقب سے مشہور تھا وہ درپردہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکا تھا۔ یعنی آپ کی صداقت و عظمت کا دل سے معترف تھا۔ اس کا نام سمعان تھا۔ بعض مفسرین کے نزدیک اقصائے شہر سے آنے والا شمعون یا جبر یا حبیب یا حزقیل تھا۔

وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدَانِ اور مردوں کے جمگھٹے سے پرے دو عورتوں کو دیکھا کہ اپنے جانوروں کو روک رہی ہیں۔" (پ۲۰ القصص، آیۃ ۲۳)

ان دو عورتوں سے مراد حضرتِ شعیب علیہ السلام کی وہ بیٹیاں ہیں جو باپ کے بڑھاپے کی وجہ سے خود بکریاں چراتی تھیں اور اس کی آمدنی سے اپنے گھر کو چلاتی تھیں۔ یہ دونوں عفت مآب خاتون اپنے جانوروں کو کنویں پر جانے سے اس وقت تک روکے رکھتی تھیں جب تک زور آور چرواہوں کے جانور سیراب نہیں ہو جاتے تھے۔ ان چرواہوں کا قاعدہ تھا کہ جانوروں کو پانی پلانے کے لئے کنویں کے چاروں طرف پرے باندھ کر کھڑے ہو جاتے تاکہ کسی دوسرے کا جانور پانی نہ پی سکے۔ ایسی صورت میں ان لڑکیوں کا وہاں پہنچنا ممکن ہی نہیں ہوتا جب وہ سب چرواہے چلے جاتے تو یہ لڑکیاں بچا کھچا پانی اپنے جانوروں کو پلاتیں اور گھر آ جاتیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہی دونوں کو دیکھا تھا جن میں سے ایک کا نام لیّا، اور دوسرے کا نام صفورہ تھا۔ اور یہی صفورہ بعد میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نکاح میں آئیں۔

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ اور یاد کرو جب لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا اور وہ نصیحت کرتا تھا۔" (پ۲۱ لقمان، آیۃ ۱۳)

حضرت لقمان علیٰ نبینا وعلیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے علم وحکمت اور عرفان وموعظت سے نوازا تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے اظہارِ نبوت اور بر سریرِ حکومت ہونے سے قبل آپ اس قوم کے قاضی ومفتی تھے۔ آپ کی نبوت میں علماء کا اختلاف ہے اکثر علماء اس طرف گئے ہیں کہ آپ نہایت ذکی وفہیم اور حکیم تھے، نبی نہیں تھے۔ آپ کا نسب یہ ہے لقمان بن باعور بن ناحور بن تارخ یعنی حضرت لوط علیہ السلام کے بھتیجے، حضرت ایوب علیہ السلام کے بھانجے یا خالہ زاد بھائی تھے۔ آپ نے اپنے جس لڑکے کو نصیحت فرمائی اس کا نام باراَن تھا۔ بعض مفسرین کے نزدیک اُن کا نام داراَن یا انعم یا شکم تھا۔

قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ ، (اٰیۃ السجدۃ ۱۱)، اے محبوب فرما دو تمہیں وفات دیتا ہے موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے۔

"ملک الموت" سے مراد حضرت عزرائیل علیہ السلام ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے روحیں قبض کرنے پر مقرر ہیں۔ آپ کے لئے دنیا کفِ دست کے مثل کر دی گئی ہے، مشارق ومغارب میں جہاں سے چاہتے ہیں بے تکلف روحیں اٹھا لیتے ہیں۔ رحمت وعذاب کے بہت سارے فرشتے ان کے ماتحت ہیں۔

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوٗنَ ، (اٰیۃ السجدۃ ۱۸)، تو کیا جو ایمان والا ہے وہ اس جیسا ہو جائے گا جو بے حکم ہے۔ یہ برابر نہیں۔

یہ آیۃ مقدسہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے ایمان پر نصِ صریح ہے جو بھی خارجی حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ارفع واعلیٰ شان میں بکواس کرتے ہیں انہیں اس آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھنا چاہیئے۔ عامۂ مفسرین کے نزدیک یہ آیۃ کریمہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی۔ جبکہ ولید ابن عقبہ ابن معیط کسی باب میں آپ سے جھگڑ رہا تھا تو آپ کی نوعمری کا مذاق اڑاتے ہوئے اس نے کہا "خاموش رہو! تم بچے ہو میں بوڑھا ہوں،

میں تم سے زیادہ بہادر اور اہلِ جائداد ہوں، میری زبان کی تیزی کی تم تاب نہیں لا سکتے ہو"۔ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "جتنی باتیں تم نے بیان کی ہیں وہ انسان کے لئے قابلِ مدح نہیں ہیں، انسان کا فضل وشرف ایمان وتقویٰ میں ہے اور تو تو بڑا فاسق وبدکردار ہے لہٰذا تو کسی بندۂ مومن کا مقابلہ کیونکر کر سکتا ہے"۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصدیق میں یہ آیت پاک اتاری۔ یوں تو کوئی بھی کافر وفاسق، مومن ومتقی کے برابر نہیں ہو سکتا ہے مگر اس آیت پاک میں مومن سے مراد حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم۔ اور فاسق سے مراد ولید ابن عقبہ ہے۔

وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِیَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ اور ان میں سے ایک گروہ نبی سے اجازت مانگتا تھا کہ ہمارے گھر بے حفاظت ہیں"

(اٰیۃ ۱۳ الاحزاب)، (سورۂ احزاب آیۃ ۱۳)

غزوۂ احزاب کے موقع پر یہودیوں نے اپنی سازشوں کے ذریعہ پوری دنیائے یہودیت وشرک کو اکٹھا کر لیا تھا اور مشترکہ قوت کے ساتھ مدینہ منورہ پر دھاوا بول دیا تھا۔ ابتداءً کچھ مسلمان بھی خوف زدہ ہوئے اور عین حالتِ جنگ میں منافقوں نے طرح طرح کے بہانے بنا کر راہِ فرار اختیار کر لیا۔ انہی منافقوں میں سے ایک گروہ نے یہ بہانہ تراشا کہ ہمارے بال بچے بے حفاظت ہیں، مدینہ میں یہودیوں کے رحم وکرم پر ہیں لہٰذا ہمیں ان کی حفاظت کے لئے جانے دیا جائے۔ یہ اجازت طلب کرنے والے لوگ بنی حارثہ اور بنی سلمہ کے افراد تھے جن کا ذکر اس آیت میں ہے ان کا نام ابوعوانہ ابن اوس اور اوس ابن قیظی تھا۔ جنگِ احزاب میں مسلمانوں کو یہودیوں اور مشرکوں پر عظیم الشان فتح حاصل ہوئی مشرکوں کا ٹڈی دل لشکر سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا۔ اور کثیر سامانِ جنگ چھوڑ گیا۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ (الخ) اے نبی! اپنی بیویوں سے فرمادو! (اٰیۃ ۲۸ الاحزاب)

یہ آیت تخییر جس وقت نازل ہوئی اس وقت آپ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی زوجیت میں نو ۹ ازواجِ مطہرات تھیں جن میں پانچ قریشیہ تھیں ۱؎ حضرت عائشہ بنت ابوبکر صدیق ۲؎ حضرت حفصہ بنت عمر فاروق ۳؎ حضرت اُم حبیبہ بنت ابی سفیان ۴؎ حضرت اُم سلمہ بنت ابی امیہ ۵؎ حضرت سودہ بنت زمعہ۔ اور چار غیر قریشیہ تھیں ۱؎ حضرت زینب بنت جحش اسدیہ۔ ۲؎ حضرت میمونہ بنت حارث ہلالیہ ۳؎ حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب اور ۴؎ حضرت جویریہ بنت حارث مصطلقیہ رضی اللہ تعالٰی عنہن اجمعین آیت پاک میں "ازواج" سے یہی امہات المومنین مراد ہیں۔

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا۔ (اٰیۃ ۳۳ الاحزاب)
"اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو تم سے ہر ناپاکی دور فرمادے اور تمہیں پاک کرکے خوب ستھرا کردے۔"

اس آیت مبارکہ میں "اہل البیت" سے مراد وہ تمام ازواج مطہرات ہیں جن کا ذکر اسی سورۂ کریمہ کی آیت ۲۸ میں گزرا۔ کیونکہ آیت ۲۸ سے آیت ۳۴ تک قرآنی روئے مخاطبت ازواجِ پاک ہی کی طرف ہے تو وہ پاک بیویاں آیت تطہیر میں بھی مخاطب ہیں۔ ان کے علاوہ مفسرین کرام نے دیگر نفوس قدسیہ کو بھی آیت تطہیر میں شمار فرمایا ہے خصوصاً حضرت علی، حضرت فاطمہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالٰے عنہم کو۔ اور یہ تفسیر بھی احادیث کریمہ ہی کی روشنی میں ہے مفسرین کی اپنی رائے نہیں ہے۔

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ۔ (اٰیۃ ۳۷ الاحزاب)
"اور یاد کرو جب تم فرماتے تھے اس سے جسے اللہ نے نعمت دی اور تم نے اسے نعمت دی کہ اپنی بیوی اپنے پاس رہنے دے۔"

اس آیت کریمہ میں مُنْعَمٌ عَلَیْہِ سے مراد حضرت زید ابن حارثہ ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خادم خاص تھے جن سے حضرت زینب بنت جحش کا نکاح ہوا تھا لیکن زیادہ دنوں تک ان دونوں کے درمیان نباہ نہیں ہوسکا۔ بالآخر طلاق کی نوبت آگئی۔ آیت میں "زَوْجَكَ" سے مراد حضرت زینب بنت جحش قریشیہ ہیں جو مطلقہ ہوجانے کے بعد ازواج مطہرات میں داخل ہوگئیں حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی ساری زندگی اس نسبت پر فخر کرتی رہیں کہ ان کی یہ نسبت ربّ جلیل نے طے فرمائی تھی۔

وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ (اٰیۃ ۷۲ الاحزاب) "اور آدمی نے وہ امانت اٹھالی۔"

یہاں آدمی سے مراد خود حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔

اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَیْهِمُ اثْنَیْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ (اٰیۃ ۱۴ یٰسٓ)
"جب ہم نے ان کی طرف دو بھیجے۔ پھر انہوں نے ان کو جھٹلایا۔ تو ہم نے تیسرے سے زور دیا۔"

اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ان حواریوں کا ذکر ہے جنہیں تبلیغ دین کے لئے حضرت عیسیٰ نے انطاکیہ شہر کی طرف بھیجا تھا پہلے دو آئے جنہیں انطاکیہ کے مشرک بادشاہ نے جھٹلا دیا اور قید کردیا۔ پھر تیسرے آئے جنہوں نے بادشاہ کے یہاں رسوخ حاصل کرلیا۔ پھر تیسرے کی تدبیر و حکمت سے پہلے دونوں کو رہائی ملی اور بادشاہ بھی ایمان لے آیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پہلے دو حواریوں کا نام یوحنا اور یونس تھا۔ جبکہ تیسرے کا نام شمعون تھا۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ پہلے دونوں کا نام صادق و صدوق اور تیسرے کا نام شلوم تھا۔ لیکن راجح قول یہی ہے کہ تیسرے کا نام شمعون تھا پہلے دونوں کے نام میں اختلاف ہے۔

وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ رَجُلٌ یَّسْعٰی۔ (اٰیۃ ۲۰ یٰسٓ)
"اور شہر کے انتہائی کنارے سے ایک شخص دوڑتا آیا۔"

یہاں ایک شخص سے مراد حبیب نجار نامی شخص ہے جو حضرت عیسٰی علیہ السلام کے فرستادوں پر پہلے ایمان لا چکا تھا اور ایک پہاڑ کے غار میں مصروف عبادت تھا۔ جب اس نے سنا کہ بادشاہ اور شہر کے رؤسا نے حضرت عیسٰی کے فرستادوں کی بے عزتی کی اور انہیں جھٹلا دیا ہے تو وہ گوشۂ عبادت سے نکل کر شہر کی طرف یہ کہتا ہوا دوڑا کہ "اے لوگو! ان کی پیروی کرو۔ ان کی پیروی میں ہدایت ہے۔

اَوَلَمْ یَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰہُ مِنْ نُّطْفَۃٍ فَاِذَا ھُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ (اٰیۃ ۷۷ یٰسٓ)
اور کیا آدمی نے نہ دیکھا کہ ہم نے اُسے پانی کی بوند سے بنایا جبھی تو وہ سخت جھگڑالو ہے۔ (سورۂ یٰسٓ شریف آیۃ ۷۷)

اس آیت میں "انسان" سے مراد عاص بن وائل ہے۔ اور بعض مفسرین کی تحقیق کے مطابق اُبَی ابن خلف یا اُمیہ بن خلف یا ابوجہل ابن ہشام ہے۔ یہ سب کے سب مرنے کے بعد زندہ کئے جانے کے منکر تھے۔ ایک دن یہ لوگ ایک سڑی گلی ہڈی لے کر سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کیا تمہارا خدا اِس ہڈی کو بھی زندگی دینے پر قادر ہے؟" آپ نے اِرشاد فرمایا: "بے شک تم اپنی ہی وجود پر غور کرلو کہ زندگی کی رعنائیوں سے قبل تمہاری حقیقت ایک گندہ اور غلیظ قطرۂ آب کی تھی۔ جب ایک قابل نفرت پانی کے قطرہ کو وہ لہلہاتی ہوئی زندگی کی بہاریں دینے پر قادر ہے تو اس ہڈی کو دوبارہ زندگی کیوں نہیں دے سکتا ہے؟" وہ کفار ازلی بجائے اس کے کہ وہ آپ کے قاہر دلیل کو تسلیم کرتے جھگڑتے اور بکواس کرتے ہوئے لوٹ گئے۔ آپ کے اس ارشادِ گرامی کی تصدیق میں یہ آیت بالا نازل ہوئی۔

فَبَشَّرْنٰہُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ (اٰیۃ ۱۰۱ صٰفّٰت) تو ہم نے اُسے خوشخبری سنائی ایک عقلمند لڑکے کی۔

اِس عقلمند لڑکے سے مراد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں۔ اور بعضوں کے نزدیک یہ بھی قول مشہور ہے "اس سے مراد حضرت اِسحاق علیہ السلام ہیں"۔

وَھَلْ اَتٰکَ نَبَؤُا الْخَصْمِ (اٰیۃ ۲۱ صٓ) اور کیا تمہیں اس فریق کی خبر آئی۔ (سورۂ صٓ آیۃ ۲۱)

اِس آیت میں "خصم" سے مراد دو فرشتے ہیں۔ بعض مفسرین کرام نے فرمایا: "وہ حضرت جبرئیل و میکائیل علیہما السّلام تھے جو حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی خدمتِ عالیہ میں اس وقت حاضر ہوئے جب کہ آپ کا سوالِ نکاح جنّی اَوریا کی مخطوبہ سے ہوا۔ اِن بزرگ فرشتوں نے نہایت اَدب و احترام کے ساتھ تمثیلاً ایک مقدّمہ پیش کیا جس کا فیصلہ حضرت داؤد علیہ السّلام نے فرمایا۔ جس فیصلہ سے حضرت داؤد علیہ السلام کو خود اپنے ایک عمل پر تنبّہ ہوا۔ جس سے متاثر ہو کر سجدہ میں گر گئے اور بارگاہِ احدیت میں استغفار پیش کیا اللہ تعالٰی نے بھی معافی کا پروانہ دے دیا۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَیْمٰنَ وَاَلْقَیْنَا عَلٰی کُرْسِیِّہٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ (اٰیۃ ۳۴ صٓ)۔ اور بیشک ہم نے سلیمان کو جانچا اور اس کے تخت پر ایک بے جان جسم ڈال دیا۔ پھر وہ رجوع لایا۔

بے جان جسم سے مراد غیر تام الخلقت بچہ ہے۔ خواہ اِنسان کا ہو یا جن کا۔ علامہ ابوبکر سیوطی نے تحقیق فرمائی کہ وہ شیطان تھا جس کا نام اُسید یا صخر یا حبقیق تھا۔ واللہ تعالٰی اعلم!

اِذْ نَادٰی رَبَّہٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ۝ (اٰیۃ ۴۱ صٓ) جب اس (ایوب) نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے شیطان نے تکلیف اور ایذا لگا دی۔

جس شیطان کی وجہ سے حضرت ایوب علیہ السلام کے مرض میں شدت اور مال میں قلت ہو گئی تھی اس کا نام مسعط تھا۔

رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَیْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ۔ (اٰیۃ ۲۹ حٰمٓ سجدہ) اے ہمارے رب! دکھا دے ہمیں اُن دونوں جن اور آدمی کو جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا۔

قیامت کے دن کفار اپنے گمراہ گروں کو دیکھنا چاہیں گے۔ خواہ گمراہ گر شیطان جنوں میں سے ہوں یا آدمیوں میں سے تاکہ انھیں مجمع محشر کے سامنے ذلیل و خوار کریں۔ اس آیۃ میں شیطانِ جنی سے مراد ابلیس لعین اور شیطانِ انسی سے مراد قابیل ہے جس نے اولاد آدم میں سب سے پہلے ظلم و ناانصافی اور بغض و حسد کی بنیاد رکھی

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ۝ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ۝ (آیۃ ۴۴ الدخان) بیشک زہر کنیل (تھوہڑ) کا درخت گنہگاروں کی خوراک ہے۔

گنہ گاروں سے مراد ابوجہل اور اس کے ہمنوا ہیں۔

وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (آیۃ ۱۰ الاحقاف) اور بنی اسرائیل کا ایک گواہ اس پر گواہی دے چکا۔ (سورۂ احقاف آیہ ۱۰)

"شَاهِدٌ" سے مراد حضرت عبداللہ بن سلام ہیں جو قرآن کی حقانیت اور نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی شہادت دے کر ایمان لا چکے۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ۔ (آیۃ ۳۵ الاحقاف) تو اے محبوب! تم صبر کرو جیسا کہ ہمت والے رسولوں نے صبر کیا۔

صبر کرنے کا خطاب حضور پُرنور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے۔ اور "اولوالعزم رسولوں" سے مراد صحیح اور راجح قول کے مطابق حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں جن کے سردار حضور خاتم الانبیاء والمرسلین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیہم وبارک وسلم ہیں۔ کیونکہ آپ نے سب رسولوں سے زیادہ قوم کی ایذاء پر صبر کیا ان پر عذاب کی دعا میں جلدی نہیں فرمایا۔

وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ۔ (آیۃ ۴۱ ق) اور کان لگا کر سنو جس دن پکارنے والا پکارے گا۔

پکارنے والے سے مراد حضرت اسرافیل اور پکارنے والے دن سے مراد

روزِ قیامت ہے۔

هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ۔ (آیۃ ۲۴ الذٰریٰت) اے محبوب! کیا تمہارے پاس ابراہیم کے معزز مہمانوں کی خبر آئی؟" (سورۂ ذاریات آیۃ ۲۴)

"معزز مہمانوں" سے چار معزز فرشتے حضرت جبرئیل حضرت میکائیل حضرت اسرافیل حضرت رفائیل یا حضرت عزرائیل مراد ہیں بعض روایتوں میں آیا ہے کہ ان چاروں فرشتوں کے ساتھ دیگر پانچ چھ فرشتے بھی تھے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمان ہوئے۔

وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ (آیۃ ۲۸ الذٰریٰت) اور اُسے ایک علم والے لڑکے کی بشارت دی!

"علم والے لڑکے سے مراد حضرت اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ جس پر مفسرین کا اجماع ہے۔

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝ ذُوْ مِرَّةٍ (آیۃ ۵-۶ النجم) انہیں سکھایا سخت قوتوں والے طاقتور نے" (سورۂ نجم آیۃ ۵-۶)

اگر تعلیم بالواسطہ ہے تو "شدید القویٰ اور ذو مرۃ" حضرت جبرئیل کی صفت ہے اور اس سے مراد حضرت جبرئیل ہیں۔ اور اگر محبوب کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو بے واسطہ تعلیم دینا ہے جیسے شبِ معراج ہوا تو مذکورہ دونوں صفتیں ربِّ کائنات جل مجدہ کی ہے۔ لہٰذا مفسرین و محققین کے نزدیک شدید القویٰ اور ذو مرۃ نیز عَلَّمَہٗ کے فاعل کی مراد میں اختلاف ہے۔ حضرت امام حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک یہ سب اوصاف ذاتِ باری عز اسمہٗ کے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو ان اوصاف کے ساتھ ذکر فرمایا تو شَدِيْدُ الْقُوٰى ذُوْ مِرَّةٍ سے مراد اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کی ذاتِ پاک ہے۔ اور عام مفسرین نے عَلَّمَہٗ اور فَاسْتَوٰى وغیرہا کا فاعل حضرت جبرئیل علیہ السلام کو قرار دیا ہے۔ اور شدید القویٰ ذو مرۃ حضرت جبرئیل کی صفت مانی ہے

تو اس سے مراد حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہوئے۔

اَفَرَءَیۡتَ الَّذِیۡ تَوَلّٰی ﴿۳۳﴾ وَ اَعۡطٰی قَلِیۡلًا وَّ اَکۡدٰی ﴿۳۴﴾ (آیت ۳۴ نجم) تو کیا اے محبوب! تم نے اُسے دیکھا جو پھر گیا اور کچھ تھوڑا سا دیا اور روک رکھا۔" (سورۂ نجم)

پہلی آیت میں دین اسلام سے منحرف ہوجانے والے سے مراد عاص بن وائل یا ولید بن مغیرہ ہے جو عذابِ الٰہی کے ڈر سے ایمان لے آیا تھا۔ مگر مشرک یاروں کے بہکانے پر مشرک ہوگیا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

اور دوسری آیت یا تو عاص بن وائل سہمی کے حق میں نازل ہوئی یا ابوجہل کے حق میں۔ کہ ایک مرتبہ اس نے قسم اٹھاکر یہ اعلان کیا تھا کہ محمد ابن عبداللہ ہمیں بہترین اخلاق کا حکم دیتے ہیں۔ اس تقدیر پر دوسری آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ تھوڑا اقرار تو کیا اور حقِ لازم میں سے اقلِ قلیل تو ادا کیا۔ ہاں جس کو ادا کرنا چاہیئے تھا اس سے باز رہا یعنی ایمان نہیں لایا۔

مُّهۡطِعِیۡنَ اِلَی الدَّاعِ (آیت ۸ القمر)، بلانے والے کی طرف لپکتے ہوئے۔" (سورۂ قمر)

"داعی" سے مراد حضرت اسرافیل علیہ السلام ہیں جو روزِ قیامت صور پھونکیں گے اور ابتداءً اس سُریلی آواز پر کافر لپکیں گے۔

قَدۡ سَمِعَ اللّٰهُ قَوۡلَ الَّتِیۡ تُجَادِلُكَ فِیۡ زَوۡجِهَا (آیت المجادلة)۔ بیشک اللہ نے سُنی اس کی بات جو تم سے اپنے شوہر کے معاملہ میں بحث کرتی ہے۔" (سورۂ مجادلہ)

اِس آیت میں جس بی بی کے مجادلہ کی طرف اِشارہ ہے اُس سے مراد حضرت خولہ بنت ثعلبہ ہیں۔ اور جس شوہر کا ذِکر ہے وہ حضرت اَوس بن صامت ہیں۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ (آیت التحریم) اے محبوب نبی! تم اپنے اوپر کیوں حرام کئے لیتے ہو وہ چیز جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کی۔"

جس حلال چیز کو اللہ کے پیارے محبوب دانائے غیوب نبیِ محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اوپر حرام فرمالیا تھا۔ اس کے متعلق دو روایتیں ہیں۔

۱:۔ ایک مرتبہ حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُمّ المؤمنین حضرت حفصہ کے محل میں تشریف لے گئے تو حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ سے اجازت لیکر اپنے والدِ محترم حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیئے تشریف لے گئیں۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خدمت کے لیئے سرفرازی کا موقع دیا۔ اور یہ بات حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو گراں گزری۔ آپ نے ان کی دلجوئی کے لیئے حضرت ماریہ کو اپنے اوپر حرام فرمالیا حالانکہ باندیاں آقاؤں پر حرام نہیں تھیں۔ اِس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی، اور ارشاد فرمایا گیا کہ جو چیز اللہ تعالےٰ نے آپ کے لیئے حلال کی ہے، یعنی ماریہ قبطیہ کو۔ آپ انہیں اپنے لیئے حرام کیوں کیئے لیتے ہیں۔ ؟

۲:۔ دوسری روایت یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم جب اُمّ المؤمنین حضرت زینب بنتِ جحش کے دولت سرا میں رونق افروز ہوتے تو وہ خدمتِ عالیہ میں شہد پیش کرتیں جو آپ کو بہت مرغوب تھا۔ لہٰذا ان کی دلجوئی کے لیئے اُن کے یہاں کچھ زیادہ دیر تشریف فرما ہوتے۔ اِدھر حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو حضرت زینب رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے طرزِ عمل پر رشک آنے لگا۔ اور انہوں نے باہم یہ طے کیا کہ سیدِ عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے عرض کیا جائے کہ جب آپ زینب کے یہاں سے تشریف لاتے ہیں تو آپ کے معطّر و مبارک مُنہ سے پہاڑی گوند (مغافیر) کی بو آتی رہتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ مجھے تو مغافیر کی بُو ناپسندیدہ ہے البتہ میں نے شہد پیا ہے۔ اگر زینب کے یہاں شہد کا شغل ہونے سے تمہاری دل شکنی ہوتی ہے تو میں شہد

ہی ترک فرما دیتا ہوں اور اسے اپنے لئے حرام کرتا ہوں" اس کے بعد ہی یہ آیت مقدسہ نازل ہوئی کہ شہد تو حلال ہے۔ آپ اس کو اپنے لئے کیوں حرام کئے لیتے ہیں؟ تو جس چیز کو آپ نے اپنے اوپر حرام فرمایا اس سے مراد یا تو حضرت ماریہ قبطیہ ہیں یا شہد۔ واللہ اعلم!

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ حَدِیْثًا (آیت۳ التحریم) اور جب نبی نے اپنی ایک بیوی سے ایک راز کی بات فرمائی۔ (سورۂ تحریم آیت۳)

بعض بیوی سے حضرت حفصہ مراد ہیں اور "راز کی بات" سے مراد حضرت ماریہ قبطیہ کے متعلق اظہارِ خیال ہے۔

فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِہٖ (آیت التحریم) پھر وہ اس کا ذکر کر بیٹھیں (سورۂ تحریم آیت۳)

یعنی حضرت حفصہ نے اس راز کی بات کا ذکر ام المؤمنین حضرت عائشہ سے کر دیا۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

فَلَمَّا نَبَّاَہَا بِہٖ (آیت۳ التحریم) پھر جب نبی نے حفصہ کو اس کی خبر دی"

یعنی جو بات حضرت حفصہ نے رازدارانہ طور پر حضرت عائشہ سے کی اللہ کے غیب داں نبی نے اس کی خبر حضرت حفصہ کو دی کہ تم نے راز کی بات عائشہ سے کہہ دی۔ پھر ام المؤمنین حضرت حفصہ عذر خواہ ہوئیں۔

اِنْ تَتُوْبَآ اِلَی اللّٰہِ (آیت التحریم) تم دونوں بیویاں اللہ کی جناب میں رجوع کرو"

یہاں دونوں بیویوں سے مراد حضرت سیدتنا حفصہ اور ام المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں جنہوں نے ایسی باتیں کی تھیں جو قلبِ نازِ اقدس پر گراں گزری تھیں۔ بالآخر یہ دونوں بیویاں بارگاہِ خدا اور رسول میں عذر خواہ ہوئیں اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا جوئی اور شرفِ خدمت کو سب کاموں پر مقدم رکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کر لیا۔

وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ (آیت التحریم) اور نیک ایمان والے" (سورۂ تحریم آیت۴)

"صَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ" سے مراد حضرت سیدنا ابوبکر صدیق اور حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں کما اخرجہ الطبرانی فی الاوسط۔

اِمْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ۔ نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی" (سورۂ تحریم آیت۱۰)

حضرت نوح علیہ السّلام کی بیوی واٰلعہ تھی جو اپنی قوم سے ان کی نسبت کہتی تھی کہ وہ مجنون ہیں۔ معاذ اللہ! اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی واٰہلہ تھی جو اپنا نفاق چھپاتی تھی اور جب کبھی کوئی مہمان حضرت لوط علیہ السلام کے ہاں آجاتا تو اس کی اطلاع اپنی قوم کو دے دیا کرتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں عورتوں کو دنیا ہی میں جہنمی ہونے کی خبر دے دی کیونکہ انہوں نے اپنے شوہر کے ساتھ دغا کیا تھا۔ بعض مفسرین نے حضرت لوط علیہ السلام کی اس بیوی کا نام واعلہ لکھا ہے۔

وَلَا تُطِعْ کُلَّ حَلَّافٍ مَّھِیْنٍ (آیت۱۰ القلم) اور ہر ایسے کی بات نہ سننا جو بڑا قسمیں کھانے والا ذلیل ہے۔ (آیت۱۰ سورۂ قلم)

جھوٹی اور باطل باتوں پر ڈھٹائی سے قسمیں کھانے والا اسود بن عبد یغوث تھا۔ بعض علمائے محققین نے ولید بن مغیرہ یا اخنس بن شریق کا نام بھی لکھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تفسیر سے یہ روشن ہوتا ہے کہ اس آیت میں "حلاف" سے مراد ولید بن مغیرہ ہے۔ کیونکہ اس آیت کے بعد جن بری صفتوں کا ذکر ہے ان سے ولید بن مغیرہ ہی متصف تھا۔

سَاَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ۔ ایک مانگنے والا عذاب مانگتا ہے" (سورۂ معارج)

یہاں عذاب مانگنے والے سے مراد نضر بن حارث ہے کیونکہ اس نے دعا کی تھی کہ یارب! اگر قرآن حق ہو اور یہ تیرا کلام ہو تو ہمارے سروں پر آسمان سے پتھر برسا" لہٰذا ان آیتوں میں ارشاد فرمایا گیا کہ" کافر عذاب طلب

کریں یا نہ کریں۔ عذاب ان کے لئے مقدر ہو چکا ہے جسے آنا ہی ہے۔

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ اے میرے رب! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ
(پ ۲۹ نوح، کو" (آیۃ ۲۸ سورۃ نوح)

یہ دعا حضرت نوح علیہ السلام کی ہے۔ آپ کے والدین محترمین دونوں اہل ایمان تھے۔ والد گرامی کا نام لمک بن متوشلخ تھا اور والدہ ماجدہ کا نام سمحا بنت انوش تھا۔ یہ ایک اُولوالعزم نبی کی دعا تھی، جن جن کے متعلق آپ نے دعا مغفرت فرمائی ان کی مغفرت ہوگئی۔ اور جن جن کی تباہی و غرقابی کے لئے دعا کی وہ سب تباہ و غرقاب ہوگئے۔

وَاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا اور یہ کہ ہم میں کا بے وقوف اللہ پر بڑھ کر بات
عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا (پ الجن) کرتا تھا۔ (سورۃ جن آیت ۴)

اس آیت پاک میں "سفیہہ" سے مراد ابلیس لعین ہے۔

ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا۔ "اسے مجھ پر چھوڑ دو جسے میں نے اکیلا پیدا کیا"
(پ المدثر (سورۃ مدثر آیت ۱۱)

یہ آیت ولید بن مغیرہ مخزومی کے حق میں نازل ہوئی۔ باوجودیکہ وہ کثیر المال، کثیر الاولاد تھا مگر اپنی قوم میں "وحید" کے لقب سے ملقب تھا۔ اس آیہ کریمہ کے نزول کے بعد اس کے مال، اولاد میں کمی ہونی شروع ہوگئی، طائف کا لہلہاتا ہوا باغ، دیگر اموالِ تجارت اور اولاد ھلاک ہونے شروع ہوگئے۔ بالآخر اس کے صرف تین بیٹے باقی بچے جو مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے ۱۔ خالد ۲۔ ہشام ۳۔ ولید بن ولید۔

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ بیشک آدمی پر ایک وقت وہ گزرا کہ کہیں
مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا۔ اس کا نام بھی نہ تھا۔ (سورۃ دھر آیت ۱)

انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں کہ نفخ روح سے پہلے چالیس سال تک آپ کا پتلہ رکھا ہوا تھا نہ کوئی اُسے جانتا تھا نہ اس کی پیدائش کی حکمتیں کسی کو معلوم تھیں۔ بعض مفسرین کرام نے "انسان" سے مراد جنس انسان لیا ہے اور "غیر مذکور وقت" سے مراد اس کے حمل میں رہنے کا زمانہ ہے۔

وَيَقُوْلُ الْكَافِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ اور کافر کہے گا ہائے میں کسی طرح خاک ہو
تُرَابًا۔ (پ النبأ جاتا۔۔۔! (سورۃ نبا آیۃ ۴۰)

"کافر" سے مراد یا تو عام کافر ہے جو قیامت کے دن جانوروں کو خاک ہوتا ہوا دیکھے گا تو تمنا کرے گا کہ اے کاش! وہ جانور ہوتا اور عام جانوروں کی طرح وہ بھی خاک میں ملا دیا جاتا تاکہ عذاب الٰہی کی شدت سے بچ جاتا......! یا کافر سے مراد ابلیس لعین ہے جس نے حضرت آدم علیہ السلام پر طعن کیا تھا کہ وہ مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں۔ جب قیامت میں وہ آدم علیہ السلام اور ان کی ایماندار اولاد کے ثواب و درجات کو دیکھے گا تو کہے گا: اے کاش میں بھی مٹی ہوتا۔ یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی طرح مٹی سے پیدا کیا جاتا تو آتشی تکبر و غرور کی وجہ سے آج میرا یہ حشر نہ ہوتا۔

اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى (پ عبس، کہ اُن کے پاس وہ نابینا حاضر ہوا"
"نابینا" سے مراد حضرت عبداللہ ابن مکتوم ہیں۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

فَاَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى (پ عبس، وہ جو بے پرواہ بنتا ہے"
یعنی جو لوگ اپنی دولت و ثروت کی وجہ سے اللہ و رسول جلّ و علیٰ و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے سے لاپرواہی کا اظہار کرتے ہیں وہ ہیں اُمیہ بن خلف، عتبہ بن ربیعہ، ابوجہل بن ہشام، اُبی ابن خلف۔

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ (پ ۱۹ التکویر۔ بے شک یہ عزت والے رسول کا پڑھنا ہے۔
"ہٗ" کی ضمیر قرآن پاک کی طرف ہے اور رسول کریم سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں یا حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم ہیں۔

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ (پ۳۰، الفجر) لیکن آدمی؛ تو جب اُسے اُس کا رب آزمائے۔

یہاں "انسان" سے مراد امیہ بن خلف ہے کہ اس آیت میں اور اس کے بعد والی آیت میں اسی کا مقولہ نقل کیا گیا ہے کہ وہ عزت و ذلت کا مدار مال و دولت اور فقر پر رکھتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ عزت و ذلت، طاعت و معصیت پر منحصر ہے دولت و فقر پر نہیں۔

وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ (پ۳۰، البلد) والد کی اور اُس کی اولاد کی قسم۔

"والد" سے مراد حضرت آدم یا حضرت ابراہیم یا حضور خاتم الانبیاء علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں، اور "ولد" سے مراد یا تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں یا آپ کی اُمتِ اجابت۔

فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ (پ۳۰، الشمس) تو ان سے اللہ کے رسول نے فرمایا۔

یہاں "رسول اللہ" سے مراد حضرت صالح علیہ السلام ہیں۔

اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا (پ۳۰، الشمس) جبکہ اُس کا سب سے بڑا بدبخت اُٹھ کھڑا ہوا۔

یہ بدبخت قدار ابن سالف تھا جس کی مرضی اور حکم سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کونچیں کاٹی گئیں۔

لَا یَصْلٰىهَاۤ اِلَّا الْاَشْقَى (پ۳۰، اللیل) نہ جائے اُس (بھڑکتی آگ) میں مگر بدبخت۔

یہ شقی و بدبخت امیہ بن خلف ہے جو بحکم قرآن لازمی طور پر ہمیشہ کے لئے جہنم کی بھڑکتی آگ میں ڈالا جائے گا۔

وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى (پ۳۰، اللیل) اور اُس سے دور رکھا جائے گا جو سب سے بڑا پرہیزگار ہوگا۔ (سورۂ لیل آیت ۱۷)

خداوند کریم کے نزدیک اُمتِ مصطفےٰ میں سب سے بڑا پرہیزگار وہ ہے جو رضائے الٰہی کے لئے اپنی کثیر رقم مجبوروں اور غلاموں کو آزادی دلانے میں خرچ

کرتا ہے اور وہ ہیں حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کے حق میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْهٰى عَبْدًا اِذَا صَلّٰى (پ۳۰، العلق) بھلا دیکھو تو۔ جو منع کرتا ہے بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے۔ (سورہ علق آیہ ۹،۱۰)

چونکہ ابوجہل نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نماز پڑھنے سے روکا تھا اور لوگوں سے یہ کہتا تھا کہ "اب اگر میں نے اسے نماز پڑھتے دیکھ لی تو (معاذ اللہ) اُس کی گردن اپنے پاؤں تلے رکھ کر زمین میں دھنسا دوں گا۔" پھر جب ایک مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز میں مشغول تھے تو ابوجہل اپنے ناپاک ارادہ کے ساتھ بڑھا۔ لیکن ابھی قریب نہیں ہوا تھا کہ دونوں ہاتھوں کو پھیلاتا ہوا الٹے پاؤں پیچھے بھاگا۔ لوگوں نے سبب پوچھا تو اس نے بتلایا کہ میرے اور محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے درمیان ایک کھائی تھی جس میں وحشتناک پرندے تھے اور وہ سب میری جانب بڑھ رہے تھے جسے دیکھ کر میں گھبرا گیا اور اُلٹے پاؤں بھاگنے پر مجبور ہوا۔" اس آیت میں نماز سے روکنے والا سے مراد ابوجہل ہے۔ اور "عبد" سے مراد حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ (پ۳۰، الکوثر) بیشک جو تمہارا دشمن ہے وہی ہر خیر سے محروم ہے۔

حضور سید العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرزند اکبر حضرت سیدنا قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جب صغر سنی میں وصال ہوا تو کفار نے آپ کو "ابتر" (منقطع النسل) کہا۔ اُن کافروں کے رد بلیغ میں یہ سورۂ کریمہ نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ابتر کہنے والوں کو آپ کا دشمن قرار دیا۔ ان دشمنوں میں سرفہرست عاص بن وائل، ابوجہل ابن ہشام، عقبہ ابن ابی معیط ابولہب، اسکی بیوی عورا بنت حرب (اُمِّ جمیل) اور کعب ابن اشرف وغیرہم ہیں۔

آیاتِ مبہمات میں کبھی صرف جمع مبہم ہوتا ہے۔ مثلاً:

وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ لَوْلَا یُکَلِّمُنَا اللّٰہُ اَوْ تَاْتِیْنَآ اٰیَۃٌ (پ۱ البقرۃ) "اور جاہل بولے اللہ ہم سے کیوں نہیں کلام کرتا ہے یا ہمیں کوئی نشانی ملے؟" (سورۂ بقرہ)

جاہلوں سے مراد اہل کتاب یا مشرکین ہیں جنہوں نے رسول کی ہمسری کا دعویٰ کیا یا اپنے آپ کو ملائکہ کی طرح سمجھا کہ جب اللہ تعالٰے اپنے رسولوں اور ملائکہ سے ہم کلام ہوتا ہے تو ہم سے کیوں نہیں کلام کرتا؟ اور چونکہ اہل کتاب و مشرکین کے دعووں کی ترجمانی رافع بن حرملہ کر رہا تھا، اس لئے عام مفسّرین نے جماعتوں کے ذکر کے بجائے رافع بن حرملہ کا نام لکھا ہے۔

سَیَقُوْلُ السُّفَھَآءُ مِنَ النَّاسِ۔ "اب کہیں گے بے وقوف لوگ" (پ۲ البقرۃ)

بے وقوف لوگوں سے مراد رفاعہ بن قیس، قردم بن عمرو، کعب بن اشرف، رافع بن حرملہ، حجاج ابن عمر، اور ربیع ابن ابی الحقیق وغیرہم ہیں۔ مفسرین کرام نے یہود و منافقین اور مشرکین مکہ کے ہر اس فرد کو سفہاء میں شمار کیا ہے جنہوں نے تحویل قبلہ کے بعد امام القبلتین رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم پر زبانِ طعن دراز کیا اور جنہیں اعتراض بے جا کی جسارت ہوئی۔

وَاِذَا قِیْلَ لَھُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ (پ۱ البقرۃ) "اور جب ان سے کہا جائے اللہ کے اتارے پر چلو!"

آباؤ اجداد کی اندھی پیروی کرنے والے رافع و مالک کو یہ ہدایت کی گئی کہ توحید و رسالت اور قرآن پر ایمان لاؤ تو اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ہم تو اپنے باپ دادا کی روش پر چلیں گے اور اسی رسم و رواج کی پیروی کریں گے۔ لہٰذا اس آیت میں وہی رافع و مالک ابن عوف مراد ہے۔

وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَھِلَّۃِ (پ۲ البقرۃ) "اے محبوب! تم سے نئے چاند کو پوچھتے ہیں۔"

چاند کے گھٹنے بڑھنے کی حکمتیں حضرت معاذ ابن جبل اور حضرت ثعلبہ بن غنم

انصاری رضی اللہ تعالٰے عنہما نے سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے دریافت کیں اس کا جواب اس آیۂ کریمہ میں دیا گیا ہے۔ "سائلوں" سے مراد یہ دونوں صحابۂ کرام ہیں۔

یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ (پ۲۱۵ البقرۃ) "اے محبوب تم سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں؟"

اس آیت میں صدقاتِ نافلہ کے تعلق سے پوچھا جا رہا ہے کہ کیا خرچ کریں کن کن لوگوں پر خرچ کریں۔۔۔؟ اکثر آیاتِ مبہمات میں فائدہ عامہ کے لئے صیغۂ جمع ارشاد فرمایا گیا ہے مگر اس ابہام و اشارہ سے ایک دو اشخاص ہی متعین کئے جا سکتے ہیں۔ مثلاً اس سے پہلی آیت میں یا اس آیت کریمہ میں "یَسْئَلُوْنَ" سے مراد پوری جماعت ہے مگر صرف حضرتِ عمرو بن جموح رضی اللہ تعالٰی عنہ کا نام معلوم ہو سکا ہے۔

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ (پ۲۱۹ البقرۃ) "اے محبوب تم سے شراب اور جوئے کا حکم پوچھتے ہیں"

شراب اور جوئے وغیرہ کے متعلق سوال کرنے والے حضرات یوں تو کثیر در کثیر ہیں۔ لیکن حضرت حمزہ، حضرت معاذ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم کا ذکر مفسرین کرام نے کیا ہے۔

وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْیَتٰمٰی (پ۲۲۰ البقرۃ). "اور اے محبوب تم سے یتیموں کا مسئلہ پوچھتے ہیں" (سورۂ بقرہ آیت ۲۲۰)

یہاں "سائل" سے مراد حضرت عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں جنہوں نے ازرہِ خیر خواہی یتیموں کے مال کے بارے میں مسئلہ دریافت کیا تھا۔

وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْمَحِیْضِ (پ۲۲۲ البقرۃ). "اور اے محبوب! تم سے حیض کا حکم پوچھتے ہیں"

عرب کے یہود و مجوس حائضہ عورتوں سے کمالِ نفرت کرتے تھے نہ ان کے

ساتھ سوتے بیٹھتے، نہ ان کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھاتے، نہ ان سے ہمکلام ہوتے۔ حیض کے دنوں میں عورتوں کی زندگی دو بھر ہو جاتی۔ اسکے خلاف عرب کے نصاریٰ حیض کے دنوں میں حائضہ عورتوں سے کمالِ شغف رکھتے تھے۔ ان کے جسم سے جہاں تک ممکن ہوتا فائدۂ نفسانی اٹھاتے کثرت سے مجامعت کرتے۔ مسلمان اس افراط و تفریط سے سخت کشمکش میں مبتلا ہو گئے۔ پھر سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں یہ مسئلہ پیش ہوا کہ حائضہ عورتوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ جس کے جواب میں حاملِ قرآن معلمِ کتاب و حکمت علیہ أزکی التسلیمات والتحیّات نے اعتدالی رویہ اختیار کرنے کا حکم دیا۔ "کہ نہ نفرت کرو اور نہ ہی ان دنوں میں مجامعت کرو"۔ حیض کے متعلق سوال کرنے والے ثابت بن دحداح، عباد بن بشر اور اسید بن حضیر وغیرہ کے نام معلوم ہو سکے۔ حالانکہ سائل پوری جماعت تھی۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ. (پ۳ آل عمران) — کیا اے محبوب تم نے نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ ملا"۔ (سورۃ آل عمران)

اس آیت میں "کتاب" سے مراد توریت شریف ہے۔ اور جنہیں توریت شریف کا بعض صحیح حصہ ملا۔ اُن سے مراد نعمان بن عمر اور حارث بن زید وغیرہ ہیں جنہیں قرآنی تعلیمات کو دیکھتے ہوئے فوراً قرآن اور معلمِ قرآن پر ایمان لے آنا چاہیئے تھا۔ مگر ان اہلِ کتاب نے ایسا نہیں کیا بلکہ قرآن سے روگردانی کی اور ایمان لانے سے انکار کیا۔

قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ. (پ۳ آل عمران) — حواریوں نے کہا ہم دینِ خدا کے مددگار ہیں"۔

"حواری" وہ مخلص اور ایماندار بندے تھے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے

لائے ہوئے دین (دینِ اسلام) کے مددگار اور راہِ حق پر پوری طرح گامزن تھے۔ یہ بارہ ۱۲ اشخاص تھے، مگر مفسرین کرام اور محققین عظام نے سات شخصوں کا نام ذکر فرمایا ہے ۱۔ فطرس ۲۔ یعقوبس ۳۔ اندرئیس ۴۔ فیلس ۵۔ درنابوطا ۶۔ نہمس ۷۔ سرجس۔

آخر الذکر (سرجس) ہی وہ حواری ہے جس پر یہودیوں کو حضرت عیسیٰ ہونے کا گمان ہوا تھا، اور حضرت عیسیٰ کے شبہ میں اس کو سولی پر چڑھا دیا۔

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْۤ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْۤا اٰخِرَهٗ. (پ۳ آل عمران) — اور کتابیوں کا ایک گروہ بولا: "وہ جو ایمان والوں پر اترا صبح کو اس پر ایمان لاؤ اور شام کو منکر ہو جاؤ"۔ (سورۃ آل عمران آیت نمبر ۷۲)

یہودی شروع ہی سے اسلام دشمنی پر کمر بستہ ہیں اور ہمیشہ نئی نئی ترکیبیں سوچتے رہے ہیں کہ کسی طرح اسلام کا خاتمہ ہو جائے۔ مگر ان کی ترکیبوں اور تدبیروں کا راز فاش ہوتا رہا ہے جس کی وجہ سے وہ کامیاب نہیں ہو سکے۔ خیبر کے علمائے یہود میں سے بارہ شخصوں نے یہ مکر تجویز کی کہ ہم سب کے سب صبح کو قرآن اور پیغمبرِ اسلام پر ایمان لے آئیں اور شام کو مرتد ہو کر یہ پروپیگنڈہ کریں کہ توریت میں جس نبی و رسول کی آمد کی بشارتیں ہیں وہ یہ رسول نہیں ہیں۔ کیونکہ ہم لوگوں نے ایمان لا کر اس کو اچھی طرح جانچ لیا ہے، اور یہ کتاب (قرآن پاک) بھی منجانب اللہ نہیں ہے، اگر واقعی یہ کتاب منجانب اللہ ہوتی اور یہ رسول رسولِ برحق ہوتا تو ہم لوگ ایمان لانے کے بعد اس سے ہرگز نہیں پھرتے! اس مکر کے نتیجے میں مسلمانوں کے اندر بھگدڑ مچ جائے گی۔ اور مسلمان قرآن اور پیغمبرِ اسلام سے

برگشتہ ہو جائیں گے۔"

مگر ہوا یہ کہ علمائے یہود اپنے مکر کو عملی جامہ بھی نہیں پہنا سکے تھے کہ ان کا مکر بذریعہ وحیِ الٰہی طشت از بام کر دیا گیا۔ اور مسلمان قبل از وقت ہی ان کے فریب سے باخبر ہو گئے۔ جن علمائے یہود نے اس مکر و فریب کا پلان بنایا تھا، ان میں عبداللہ بن صیف، عدی بن زید اور حارث ابن عمر آ گئے تھے۔

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ کیونکر اللہ ایسی قوم کی ہدایت چاہے جو ایمان لا کر کافر ہو گئے۔" (آیت ۸۶ آل عمران)

یہ آیت اور اس کے بعد مسلسل کئی آیتیں یہود و نصاریٰ کے متعلق نازل ہوئیں۔ جو حضور پرنور سید عالم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل آپ کے مبارک ذکر اور ناموں سے استعانت طلب کرتے اور دشمنوں پر کامیابی پاتے تھے، آپ کے وسیلے سے دعائیں کرتے اور بے دیکھے آپ کی نبوت کے مقر تھے لیکن جب سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بنفس نفیس تشریف لے آئے تو وہی یہود و نصاریٰ نہ صرف آپ کی نبوت و رسالت کے منکر ہو گئے بلکہ آپ کے جانی دشمن ہو گئے۔ اور یہ سب کچھ حسد و بغض کی وجہ سے ہوا۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ کے بارہ ۱۲ مشہور افراد کے متعلق نازل ہوئی، جن میں سے پانچ افراد کے ناموں کا ذکر مفسرین کرام نے کیا ہے۔ ۱ ابو عامر راہب ۲ حارث بن سوید ابن صامت ۳ وحوح بن اسلت ۴ زاد بن عسکر ۵ اور طعیمہ بن ابیرق۔

يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ کہتے ہیں اس کام میں کچھ ہمارا بھی اختیار ہے؟ (آیت ۱۵۴ آل عمران)

يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا کہتے ہیں ہمارا کچھ بس چلتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے۔" (آیت ۱۵۴ آل عمران)

مذکورہ دونوں مقامات پر صیغۂ جمع کے ساتھ قائل کو مبہم رکھا گیا ہے۔ مگر مقامِ اول کا سرخیل عبداللہ ابن اُبی رأس المنافقین ہے۔ اور مقامِ ثانی میں عبداللہ ابن اُبی کے ساتھ معتب بن قشیر بھی شامل ہے۔ یعنی یہ بدبخت اللہ جل شانہ کی قدرت و اختیار پر نکتہ چینی کرتے تھے اور بارگاہِ رسالت میں عرض کرتے تھے کہ "کیا فتح و ظفر اور قضا و قدر کا سارا اختیار اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے؟" قرآن حکیم نے دو ٹوک اس کا جواب عنایت فرما دیا: قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ (اے محبوب فرما دو کہ اختیار تو سارا اللہ ہی کا ہے) اس جواب سے مایوس ہو کر وہ کہنے لگے کہ اگر ہمارا اختیار ہوتا تو میدان جنگ میں کس مپرسی کے ساتھ نہیں مارے جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس بکواس کا جواب دیا کہ اگر تم گھر میں ہوتے تو بھی موت تمہیں اس میدان میں کھینچ لاتی۔ کیونکہ موت کا تعلق قضا اور قدر سے ہے اور قضا و قدر کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ تمہارا اس میں کوئی اختیار نہیں۔"

وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا اور ان سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں لڑو یا دشمن کو ہٹاؤ۔" (آیت ۱۶۷ آل عمران)

اس آیت میں قائل سے مراد حضرت عبداللہ انصاری ہیں جو حضرت جابر انصاری رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے والد گرامی ہیں۔ اور مقول لھم (جن سے راہ خدا میں لڑنے، مسلمانوں کی جمعیت بڑھانے اور دشمنوں کے یلغار کو روکنے کیلئے کہا گیا) سے عبداللہ ابن اُبی رأس المنافقین اور اس کے ساتھی مراد ہیں۔

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اور جو اللہ و رسول کے بلانے پر حاضر ہوئے

مِنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَصَابَہُمُ الۡقَرۡحُ ؕ لِلَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوۡا مِنۡہُمۡ وَ اتَّقَوۡا اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ ﴿پ۴، آل عمران:۱۷۲﴾

بعد اس کے کہ انہیں زخم پہنچ چکا تھا۔ انکے نیکوکاروں اور پرہیزگاروں کے لئے بڑا ثواب ہے۔"

جنگِ اُحد میں فتح و شکست سے دوچار ہونے کے بعد جب لشکرِ کفار نے مقامِ روحا میں پہنچ کر دم لیا تو ان کے کمانڈر انچیف کو افسوس ہوا کہ فتح کی امید ہو جانے کے بعد وہ اس سراسیمگی میں کیوں بھاگ رہے ہیں....؟ اُحد میں جو صورتِ حال پیدا ہو چکی تھی کہ ہم لوگوں کو مسلمانوں کا خاتمہ ہی کر کے لوٹنا چاہیئے تھا۔" اس خیال کے آنے کے بعد کمانڈر نے از سرِ نو اپنے لشکر کو تازہ دم ہو لینے کا موقع دیا اور پھر مقامِ روحا ہی سے اس لشکرِ جرار کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف رخ کر دیا۔ راستے بھر فوجیوں کو اشتعال دلاتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کی خبر حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ہو گئی اور آپ نے اپنے اور مسلمانوں کے زخموں کی پرواہ کیے بغیر مسلمانوں کو آواز دی تاکہ آگے بڑھ کر کفار و مشرکین کے لشکر کو روکا جا سکے۔ نبوی اعلان کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کی ایک جماعت جن کی تعداد ستّر تھی پلک جھپکتے ہی دربارِ رسالت میں حاضر ہو گئی، حالانکہ وہ حضرات ابھی بھی زخموں سے نڈھال تھے، مگر حکمِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اپنی جانوں کا نذرانہ ہتھیلیوں پر لئے ہوئے لشکرِ کفار کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے۔

جانباز مسلمانوں کا یہ قافلہ اپنے رسولِ محترم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی قیادت میں جب حمراء الاسد پہنچا (جو مدینہ منورہ سے چند ہی میل کے فاصلہ پر واقع ہے) تو اس کی خبر مشرکوں کے لشکر میں پہنچ گئی جس سے مشرکین کا سارا لشکر کمانڈر سمیت مرعوب و خوف زدہ ہو کر اُلٹے پاؤں بھاگنے پر مجبور ہو گیا۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بُلاوے پر جن نفوسِ قدسیہ

نے پیش قدمی فرمائی ان میں سرِفہرست حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمانِ غنی، علی حیدر، زبیر بن عوام، سعد، طلحہ، ابن عوف، ابن مسعود، حذیفہ بن یمان، اور عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین تھے۔ یہ آیت کریمہ انہی حضرات کو مژدۂ جانفزا سنا رہی ہے اور ان کی ہمت و جرأت کو پوری امتِ مسلمہ کا امام و رہبر بنا رہی ہے۔

اَلَّذِیۡنَ قَالَ لَہُمُ النَّاسُ ﴿پ۴، آل عمران:۱۷۳﴾ وہ جن سے لوگوں نے کہا

یہاں قائل نعیم بن مسعود اشجعی ہیں۔ اور مقول لہم (جن حضرات سے یہ بات کہی گئی) وہ جانباز صحابۂ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم ہیں۔ اس آیۂ کریمہ میں اِنَّ النَّاسَ سے حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالٰی عنہ مراد ہیں جو اس وقت کفارِ مکہ کے سربراہ اور لشکرِ کفار کے سپہ سالار تھے۔

اَلَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰہَ فَقِیۡرٌ وَّ نَحۡنُ اَغۡنِیَآءُ ۘ ﴿پ۴، آل عمران:۱۸۱﴾ جنہوں نے کہا کہ اللہ محتاج ہے، اور ہم غنی ہیں۔

جب قرآن مجید کی آیت کریمہ مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یُقۡرِضُ اللّٰہَ قَرۡضًا حَسَنًا (کون ہے جو اللہ کو قرضِ حسن دے؟) نازل ہوئی تو رؤسا یہود نے یہ سن کر برملا کہنا شروع کیا تھا کہ "اب تو محمد (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کا خدا ہم سے قرض مانگتا ہے لہٰذا ہم غنی ہوتے اور ہمارے مقابلہ میں اس کا خدا محتاج ہے (نعوذ باللہ منہ) ارشادِ بالا میں اللہ تعالٰی انہی یہودیوں کے قول کو نقل فرما رہا ہے وہ کہ اس کرنے والے فنحاص، حی ابن اخطب اور کعب بن اشرف وغیرہم تھے اللہ تعالٰی نے انہیں جیتے جی آگ کے عذاب کا مژدہ سنا دیا۔

وَ اِنَّ مِنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ لَمَنۡ یُّؤۡمِنُ بِاللّٰہِ ﴿پ۴، آل عمران:۱۹۹﴾ اور بے شک کچھ اہلِ کتاب ایسے ہیں کہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں۔

اس اہلِ کتاب سے ملکِ نجاشی والیِ حبشہ یا حضرت عبداللہ بن سلام اور

ان کے ساتھی مراد ہیں۔ ملک حبشہ کا بادشاہ نجاشی عیسائی دین کو ماننے والا تھا۔ پھر جب صحابۂ کرام کی زبانی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا انہیں علم ہوا تو انہوں نے بغیر دیکھے ہوئے آپ کی نبوت و رسالت کی تصدیق کر دی اور دینِ اسلام کو برحق مان کر دولتِ ایمان سے مشرف ہو گیا لیکن اعلانیہ طور پر اپنے ایمان کو ظاہر نہیں کیا اور اسی حالت میں اس کا انتقال ہو گیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں موجود صحابۂ کرام سے فرمایا: "چلو اپنے بھائی کی نمازِ جنازہ پڑھو"۔ چنانچہ کثیر صحابۂ کرام اپنے نبیِ محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ جنت البقیع میں آئے۔ باضابطہ صف بندی ہوئی۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امامت کے لئے آگے تشریف لے گئے۔ زمین حبشہ آپ کے سامنے کر دی گئی، حضرت نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جنازہ پیشِ نظر ہوا۔ اور آپ نے چار تکبیروں کے ساتھ نمازِ جنازہ پڑھائی۔ پھر جب منافقین کا اعتراض ہوا کہ نجاشی تو آپ کے دین پر نہیں تھا۔ اُس نے اپنے ایمان کا اعلان کیا۔ تو آپ نے اس کی نمازِ جنازہ کیونکر پڑھی؟ اُس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیۂ کریمہ نازل فرمائی۔

وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَّنِسَآءً ۔ اور ان دونوں سے بہت سے مرد و عورت پھیلا دیئے ۔ (سورۂ نسآء، آیت ۱)

اُن دونوں سے مراد حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔ اور مرد و عورت سے مراد اُن کی اولاد۔ حضرت حوا نے بیس مرتبہ اپنے چالیس بیٹوں اور بیٹیوں کو جنم دیا۔ بعض بیٹوں کے نام یہ ہیں۔ قابیل۔ ہابیل، ایاد، شبوذہ، ہند، صرابیس، فحور، سند، بارق، شیث، عبد المغیث، عبد الحارث، وَدّ، سواع، یغوث، یعوق، نسر، اور بعض بیٹیوں کے نام یہ ہیں اقلیما۔ اشوق، جنادوزہ، عزورا، اَمۃ المغیث وغیرہا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ ۔ کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا جن کو کتاب سے ایک حصہ ملا، گمراہی مول لیتے ہیں ۔ (پ۵، النسآء)

یہاں اہلِ کتاب سے وہ بدبخت مراد ہیں جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے تمسخر کرتے تھے۔ اُن سے مراد خاص کر رفاعہ بن زید۔ مالک بن دخشم، کردم بن زید، اسامہ بن حبیب، رافع بن ابی رافع، بحری بن عمرو، حی ابن اخطب وغیرہ ہیں۔ جو توریت شریف کے ایک حصہ کو مانتے تھے۔ اور دوسرے حصہ کا عملاً انکار کرتے تھے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ ۔ (پ۵، النسآء) اے محبوب کیا تم نے نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ ملا، ایمان لاتے ہیں بُت اور شیطان پر۔

یہ آیت علمائے یہود کعب بن اشرف وغیرہ کے حق میں نازل ہوئی جنہوں نے نبی آخر الزماں حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مخالفت و عداوت میں مشرکین و کافرین سے سانٹھ گانٹھ کیا اور ان کی خوشنودی کے لئے بتوں کے آگے سجدہ ریز ہوئے۔ پھر مشرکوں کے دھرم کو دینِ اسلام کے مقابلہ میں صحیح اور درست قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے مطابق ان بدبختوں پر لعنت فرمائی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ۔ (پ۵، النسآء) اے محبوب! کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا جن کا دعویٰ ہے کہ وہ ایمان لائے۔

یہ ایمان کا دعویدار بشر نامی منافق تھا جس کا یہودیوں سے جھگڑا ہو گیا۔ یہودیوں نے اپنے فیصلہ کے لئے حضور خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنا فیصل و حکم مانا جب کہ بشر منافق نے کعب بن اشرف یہودی کو ثالث ٹھہرایا۔

کو اپنا حَکم تسلیم کیا۔ یہودیوں کے اصرار کرنے پر وہ منافق سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس مقدمہ کا جو فیصلہ صادر فرمایا وہ یہودیوں کے حق میں جاتا تھا۔ لہٰذا بشر نامی منافق نے اس فیصلہ کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اور حضرت عمر فاروقِ اعظم کی خدمت میں یہودیوں کو لے کر پہنچا تاکہ وہ اس مقدمہ کا فیصلہ فرما دیں۔

یہودیوں نے عرض کیا "اے عمر! اس کا فیصلہ تمہارے نبی فرما چکے ہیں۔ لیکن بشر نہیں مانتا، اور تم سے فیصلہ چاہتا ہے" حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "انتظار کرو۔ میں ابھی اس کا فیصلہ کئے دیتا ہوں" حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر میں تشریف لے گئے اور چند لمحوں کے بعد شمشیرِ برہنہ ہاتھ میں لئے باہر نکلے۔ جس کو دیکھ کر تمام یہودی گھبرا گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:۔

"گھبراؤ نہیں! جو رسولِ محترم کا فیصلہ نہیں مانتا ہے اس کا فیصلہ عمر کی تلوار کرتی ہے" پھر آپ نے بشر منافق کے سر کو جسم سے علیحدہ کر دیا۔

یہ آیہ کریمہ بشر منافق کے علاوہ کئی دوسرے منافق اور یہودیوں کے حق میں نازل ہوئی۔ مثلاً جلاس بن صامت، معتب بن قشیر، رافع بن زید وغیرہم۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ ۔ آیۃ النساء ۔ کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا جن سے کہا گیا اپنے ہاتھ روک لو۔

جہاد کی فرضیت سے قبل بعض صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بارگاہِ رسالت میں عرض گزار ہوتے تھے کہ اے اللہ کے سچے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم! ہم لوگوں کو مکہ کے کفار و مشرکین نے بہت ستایا، بہت ایذائیں دیں۔ اور اب ان کی ایذارسانی ناقابلِ برداشت ہیں، لہٰذا ہمیں کفارِ مکہ سے

لڑنے کی اجازت دی جائے تاکہ ان کے حوصلے پست ہو جائیں اور مسلمانوں کو تکلیفیں نہ دیں"

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً اپنے غلاموں سے ارشاد فرمایا:۔

"ان کے ساتھ جنگ کرنے سے اپنے ہاتھوں کو روکو! ہاں جو احکام تمہارے فرض ہو چکے ہیں اس کو پوری لگن کے ساتھ ادا کرو مثلاً وقت پر نماز کی ادائیگی اور صاحبِ نصاب ہونے کی صورت میں زکوٰۃ کی ادائیگی۔ مفسرین کرام نے فرمایا کہ صحابہ کی جو جماعت جنگ کی اجازت چاہتی تھی ان کی سربراہی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کر رہے تھے۔

إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ ۔ آیۃ ۹۰ النساء ۔ مگر وہ جو ایسی قوم سے علاقہ رکھتے ہیں کہ تم میں اور ان میں معاہدہ ہے"

جس سے آپ نے امن کا معاہدہ فرمایا وہ ہلال بن عویمر اسلمی اور بنی خزیمہ کے سراقہ بن مالک مدلجی تھے۔ اور یہ دونوں اپنے اپنے قبیلے کے سردار تھے۔ کفار و منافقین کے ساتھ عقدِ موالات اور عہدِ مواخات کسی حال میں جائز نہیں تو اس آیت میں "عہد و میثاق" سے مراد یہ ہے کہ انہیں مسلمانوں کی طرف سے امن ہے جب تک وہ خود نقضِ امن کے مرتکب نہیں ہوں گے مسلمانوں کی طرف سے انہیں اور جو ان سے مل جائیں سب کو امن ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم

سَتَجِدُونَ آخَرِينَ يُرِيدُونَ أَنْ يَأْمَنُوكُمْ وَيَأْمَنُوا قَوْمَهُمْ ۔ آیۃ ۹۱ النساء ۔ عنقریب تم کچھ ایسے لوگوں کو پاؤ گے جو یہ چاہتے ہیں کہ تم سے امان میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی امان میں رہیں"

یہ وہ منافق لوگ تھے جو صرف دکھلاوے کے لئے کلمہ و نماز پڑھتے اور اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے۔ لیکن یہی لوگ جب اپنی برادری میں پہنچتے اور لوگ ان سے پوچھتے کہ تم کس پر ایمان لائے؟ تو جواب دیتے کہ بندروں

اور بچھوں پر ایمان لے آئے۔ (اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ تعالیٰ) اس جواب سے ان کا مقصد یہ ہوتا کہ دونوں جانب سے رسم و راہ باقی رہے۔ قرآن عظیم کی یہ آیت کریمہ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو قبیلہ غطفان و اسد سے تعلق رکھتے تھے۔ مثلاً نعیم بن مسعود اشجعی وغیرہ۔

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِھِمْ (پ۹۷ النساء) "وہ لوگ جن کی جان فرشتے نکالتے ہیں اس حال میں کہ وہ اپنے اوپر ظلم کرتے تھے"

یہ آیتِ پاک اُن لوگوں کے حق میں نازل ہوئی کہ مکہ میں تو ایمان لے آئے تھے مگر جب ہجرت کا حکم ہوا تو انہوں نے ہجرت نہیں کی بلکہ مکی رشتہ داروں کی حمایت میں مکہ شریف ہی کے اندر رہ گئے یہاں تک معرکۂ بدر برپا ہوا تو وہ کفارِ مکہ کے ہمراہ میدانِ بدر میں آئے اور کافروں کی طرف سے لڑے، یہاں تک کہ مقتول ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو ظالم فرمایا۔ اُن میں علی بن امیہ بن خلف، حارث بن زمعہ، ابو قیس بن ولید بن مغیرہ، ابو العاص بن منبہ، اور قیس بن فاکہ ہیں۔

اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَۃً وَّلَا یَھْتَدُوْنَ (آیۃ۹۸ النساء) "مگر وہ جو دبا لئے گئے مرد اور عورتیں اور بچے جنہیں نہ کوئی تدبیر بن پڑے نہ راستہ جانیں۔"

یہ آیت ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی کہ ہجرت فرض ہو جانے کے بعد مکہ کے کافروں اور مشرکوں نے ان مسلمانوں پر پہرہ بٹھا رکھا تھا اور وہ راستے کبھی انجان تھے کوئی رہنمائی کرنے والا نہیں تھا۔ لہٰذا وہ بے بس اور مجبور تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کی معافی کا اعلان فرمایا۔ وہ حضرت عیاش بن ابی ربیعہ لبابہ بنتِ حارث اور ابو سلمہ بن ہشام تھے۔

بس دیارِ کفر میں غلبۂ کفار یا نامساعد حالات کی وجہ سے ارکانِ اسلام

کی ادائیگی ناممکن ہو۔ اور علی الاعلان مسلمان ارکانِ دینی کو ادا نہ کر سکیں تو ان مقامات سے ایسی جگہ چلا جانا واجب ہے جہاں ارکانِ اسلام کی ادائیگی علی الاعلان ہو سکے۔ شرعی زبان میں اسی تبدیلیٔ مکان کو "ہجرت" کہتے ہیں۔ لیکن جو لوگ تبادلیٔ مکان سے معذور ہوں یا مجبور کر دیئے گئے ہوں تو وہ تارکِ وجوب نہیں ہوں گے۔

لَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِیْنَ یَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَھُمْ (آیۃ۱۰۷ النساء) "ان کی طرف سے نہ جھگڑو جو اپنی جانوں کو خیانت میں ڈالتے ہیں"

وہ معصیت کیش لوگ جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا اور پیغمبرِ اسلام نیز مسلمانوں کو دغا و فریب دینا چاہتے تھے وہ اُبیرق فیملی کے بشر، بشیر اور مبشر وغیرہ تھے۔

لَھَمَّتْ طَّآئِفَۃٌ مِّنْھُمْ اَنْ یُّضِلُّوْکَ (آیۃ۱۱۳ النساء) "تو اس گروہ کے کچھ لوگ یہ چاہتے ہیں (اے محبوب!) کہ تمہیں دھوکہ دے دیں"

رسولوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کرنے والا ہمیشہ خود ہی کو دھوکہ میں ڈالتا رہا کیونکہ اس کا وبال اسی پر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو رسولوں کو فضل و رحمت اور کثیر نعمتوں سے نوازتا رہا ہے اور جس کو فضلِ خداوندی اپنے سایہ میں رکھے، اسے کون دھوکہ دے سکتا ہے۔ آیۂ مذکورہ میں دھوکہ دینے والوں سے مراد اُسید بن عروہ اور اس کے ساتھی ہیں۔

وَیَسْتَفْتُوْنَکَ فِی النِّسَآءِ (آیۃ۱۲۷ النساء) "اور اے محبوب تم سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں"

ایامِ جاہلیت میں کفارِ عرب کے یہاں یہ رواج تھا کہ مورث کے متروکہ جائداد میں سے عورتوں اور یتیم بچوں کو کچھ نہیں دیتے تھے۔ ہاں جو بیوہ اور یتیم لڑکیاں حسین و جوان ہوتیں تو اس سے شادیاں کر لیتے اور اس طرح اس کے جسم و مال سے فائدہ اُٹھاتے۔ اور جو غریب حسین و خوبصورت نہیں ہوتیں اس سے نہ خود شادی کرتے اور نہ کسی دوسرے کو شادی کرنے دیتے

کہ کہیں وہ اس رشتہ کی وجہ سے مال کا حقدار نہ ہو جائے۔ پھر جب آیتِ میراث نازل ہوئی اور بیویوں، بچوں کو اس کا واجبی حق دلایا گیا تو اہلِ عرب کو اس پر اچنبھا ہوا اور انہوں نے طرح طرح کے سوالات پیغمبرِ اسلام سے کرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ مسلمانوں نے بھی اس مسئلہ کی جستجو میں اس کے ایک ایک جزئیہ کو اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ آیۂ مذکورہ بالا میں یتیم بچے اور بچیوں کے تعلق سے حضرت خولہ بنت حکیم نے سیدِ عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے استفسار کیا جس کا جامع جواب اسی آیت میں موجود ہے۔ استفسار کرنے والے بہت سارے لوگ تھے لیکن مفسرین کرام نے حضرت خولہ بنت حکیم کا نام ذکر فرمایا۔

یَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ (پ۶ النساء ۱۵۳) اے محبوب اہلِ کتاب تم سے سوال کرتے ہیں"

یہاں اہلِ کتاب سے وہ شریر و سرکش لوگ مراد ہیں جنہوں نے اُلٹے پلٹے سوالات دربارِ رسالت میں کرنے کی جسارت کی مثلاً "قرآن جیسی کتاب ہم لوگوں پر بھی نازل ہو جائے تو دینِ اسلام قبول کر لیں گے۔ یعنی رسول کو وہ اپنا جیسا معمولی انسان اور منصبِ رسالت کو اپنی سرداری و چودھراہٹ کی طرح ایک معمولی منصب سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قہر و جلال میں ڈوبا ہوا جواب ان بد زبانوں کو دیا۔ یہاں سائل سے مراد کعب بن اشرف بن عسکر اور نحاص وغیرہ ہے۔

لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ مِنْهُمْ ہاں جو اُن کے اندر علم کے پکے اور ایمان
وَالْمُؤْمِنُوْنَ (پ۶ النساء ۱۶۲) والے ہیں"

یعنی اہلِ کتاب میں جو واقعی اپنی کتاب کے عالم ہیں اور ساتھ ہی ساتھ عقلِ صافی اور بصیرتِ کاملہ رکھتے ہیں۔ وہ اپنے علم و بصیرت کے ذریعہ دینِ اسلام کی حقانیت کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ

انہوں نے ایمان لانے میں پہل کی۔ یہاں اہلِ کتاب سے مراد حضرت عبداللہ ابن سلام اور ان کے رفقاء ہیں جو ایمان سے مشرف ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

یَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْكُمْ اے محبوب تم سے فتویٰ پوچھتے ہیں، فرما دو کہ اللہ
فِی الْكَلٰلَةِ (پ۶ النساء) تمہیں کلالہ کے متعلق فتویٰ دیتا ہے"

"کلالہ" اس مورث کو کہتے ہیں جو اپنے بعد نہ ماں باپ چھوڑے نہ بیٹا پوتا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب بیمار ہوئے تو حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے یارِ غار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے تو دیکھا کہ حضرت جابر حالتِ غشی میں ہیں۔ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا اور وضو کا بچا ہوا پانی حضرت جابر پر چھڑکا جس سے ان کی غشی میں افاقہ ہوا تو انہوں نے اپنے مال و جائداد کی تقسیم کے بارے میں معلمِ کتاب و حکمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ان کا متروکہ مال کس طرح تقسیم ہوگا؟ حضرت جابر بن عبداللہ کے اس سوال کو وحی کا جامہ پہنا دیا گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے کلالہ کے متعلق مفصّل اور جامع جواب اپنے محبوب کی طرف سے عنایت فرمایا جو رہتی دنیا تک کے مسلمانوں کے لئے ایک عظیم الشان ضابطہ ہو گیا۔ تو آیتِ کریمہ میں مستفتی سے مراد حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

وَلَآ آٰمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ اور نہ ان کا مال و آبرو جو عزت والے گھر کا
(پ۶ المائدۃ ۲) قصد کر کے آئیں"

اس آیت میں اہلِ ایمان کو حکم دیا جا رہا ہے کہ فرائضِ الٰہیہ اور محرماتِ الٰہیہ کا پورا پورا لحاظ رکھو، اور اُن کے مال و آبرو کو اپنے لئے حلال نہ ٹھہراؤ--- خاص کر جو بیت اللہ شریف کے قصد سے جا رہے ہوں۔

اصل میں واقعہ یوں ہوا کہ ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں قبیلۂ ربیعہ کا

ایک شخص حطم بن ہند نامی آیا اور خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا کہ آپ کن باتوں کی دعوت دیتے ہیں؟ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"اللہ تعالٰی کی وحدانیت والوہیت پر ایمان لانے کی، رسالت و نبوت کی تصدیق کرنے کی، نماز قائم رکھنے اور زکوٰۃ دینے کی۔"

وہ شخص کہنے لگا: "یہ تو بہت اچھی دعوت ہے۔ میں اپنے سرداروں سے صلاح و مشورہ کرلوں تو ان لوگوں کو ساتھ لاؤں گا اور ایمان سے مشرف ہوں گا۔" پھر وہ چلا گیا۔ حضورِ سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

"کافر کا چہرہ لے کر آیا اور بدعہد ہو کر لوٹ گیا۔ نہ یہ واپس آئے گا اور نہ اسلام لائے گا۔"

وہ مدینہ سے باہر نکلا تو اہلِ مدینہ کے مویشیوں کو اور ان کا جو کچھ مال ہاتھ آیا، اس کے ساتھ چلتا بنا۔ اگلے سال یمامہ کے حاجیوں کے ساتھ کثیر سامانِ تجارت اور قربانی کے جانوروں کو لے کر حطم بن ہند بیت اللہ شریف کی طرف بارادۂ حج نکلا۔ ادھر صحابۂ کرام بھی اپنے محسن و رہنما حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی قیادت میں مکہ شریف کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں حطم بن ہند کو دیکھ لیا تو چاہا کہ اُس سے تعرض کرکے اپنے مویشیوں کو واپس لے لیں۔ حضور رحمتِ تمام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منع فرمایا۔ اسی حال میں یہ آیۂ مذکورہ نازل ہوئی تو بیت اللہ شریف کے قصد کرنیوالے سے مراد حطم بن ہند بکری وغیرہ ہے۔ بعض مفسرین نے اس کا نام شریح بن ہند لکھا ہے جو نہایت شقی القلب اور چاپلوس تھا۔

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ اے محبوب تم سے پوچھتے ہیں کہ ان کیلئے کیا حلال ہوا (المائدہ)

زمانہ خیر القرون میں بعض حضرات معلَّم (سدھائے ہوئے) جانوروں کے ذریعہ شکار کرتے تھے جس کے لئے کتّے اور باز عموماً استعمال کئے جاتے۔ بعض صحابہ نے حضورِ پُرنور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اِس طرح کئے گئے شکار میں کون کون شکار ہمارے لئے حلال ہے؟ اللہ اللہ تعالٰی نے اس آیتِ کریمہ میں ان کا جواب مرحمت فرمایا ہے کہ پاکیزہ چیزیں تمہارے لئے حلال کی گئیں۔ یعنی جس چیز کی حرمت کتاب و سنت اور اجماع و قیاس سے ثابت نہیں وہ حلال ہے۔ اور معلّم جانوروں کا شکار کیا ہوا حلال جانور بھی تمہارے حلال ہے، بشرطیکہ وہ جانور معلّم ہونے کے ساتھ ساتھ مسلمان کا ہو اور زخم لگا کر حلال جانور کو مارا ہو۔ معلم جانور کو بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر چھوڑا گیا ہو۔ اور زخم خوردہ جانور اگر زندہ شکاری کے پاس پہنچا ہو تو شکاری نے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر اُسے ذبح کیا ہو۔ گویا معلّم جانور کے شکار کئے ہوئے جانوروں کا حکم وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے
یہ سوال کرنے والے حضرات عدی ابن حاتم، زید ابن مہلہل، عاصم ابن عدی، سعد ابن خثیمہ اور عویمر بن ساعدہ وغیرہ تھے۔

اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ (المائدہ) جب ایک قوم نے چاہا کہ تم پر دست درازی کریں تو اس نے اُن کے ہاتھ تم پر سے روک دیئے

جن دشمنانِ اسلام کی دست درازی کو اللہ تعالٰی نے اپنے فضل و کرم سے روک دیا۔ وہ کعب بن اشرف اور حی بن اخطب یہودیوں کی شاطرانہ چالیں تھیں کہ مسلمانوں کو غفلت میں ڈال کر وہ چلنا چاہتے تھے۔ اور تفسیر ابوالسعود کے مطابق ایک سفر میں سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم کے ساتھ ایک منزل پر قیام فرمایا۔ صحابۂ کرام مختلف درختوں کے سایہ میں آرام کرنے چلے گئے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

نے اپنی تلوار ایک درخت کی شاخ میں آویزاں فرما دیا اور اسی درخت کے سایہ میں استراحت فرمانے لگے۔ ایک اعرابی کہیں سے آپہنچا اور موقع غنیمت جان کر شاخ سے لٹکی تلوار اتاری اور سید عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم پر حملہ آور ہونا چاہتا تھا کہ آپ نے آنکھیں کھول دیں۔ اعرابی کہنے لگا "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اب تمہیں مجھ سے کون بچائیگا؟"
حضور اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالےٰ......!"
یہ فرمانا تھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس اعرابی کے ہاتھ سے تلوار گرادی جسے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بڑھ کر لے لیا اور فرمایا "اب تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟" اعرابی کہنے لگا "کوئی نہیں......! ہاں میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں"

آیۂ مذکورہ میں دست درازی کرنے والے سے یا تو کعب بن اشرف اور حی بن اخطب نیز دیگر یہودی مراد ہیں۔ یا وہ اعرابی جو مشرف بہ ایمان ہوا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً (آیۃ ۸۲ المائدۃ) اور ضرور تم پاؤگے دوستی میں ان کو سب سے زیادہ قریب"

یہ آیت اس وفد کے متعلق نازل ہوئی جس کو حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے بارگاہ رسالت میں بھیجا تھا۔ وہ سب کے سب نصاریٰ تھے۔ مگر علوم دینیہ اور درویشی میں ملک کے ممتاز ترین اشخاص تھے۔ علما محققین کے نزدیک ان کی تعداد میں اختلاف ہے۔ بعض نے بارہ، بعض نے تیس اور بعض نے ستر لکھا ہے۔ ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں ادریس، ابراہیم، اشرف، تمیم، تمام، دریدوغیرہ
بعض مفسرین کرام نے فرمایا کہ جو مسلمان کفار مکہ کی ایذاؤں سے تنگ ہوکر حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے جنکی تعداد عورتوں اور بچوں کے علاوہ بیاسی تھی

تو ان کی زبانی اسلامی تعلیم اور پیغمبر اسلام کے اوصاف سن کر حبشہ کے نصاریٰ بہت متاثر ہوئے، اور بہت سارے افراد صحابۂ کرام کے ہاتھوں پر مشرف بہ اسلام ہوئے، بادشاہ حبشہ نجاشی کو بھی دولت ایمان کا شرف حاصل ہوا۔ اسی واقعہ کے ذیل میں آیۂ مذکورہ نازل ہوئی جس میں فرمایا گیا کہ جس کو دین نصاریٰ کا صحیح علم ہے اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کے کلام کی معرفت ہے وہ دوستی میں مسلمانوں سے بہت قریب ہیں۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ اور بولے اُن پر کوئی فرشتہ کیوں نہ اتارا گیا۔
(آیۃ ۸ الانعام)

یہ بولنے والے لوگ مکہ شریف کے رؤسا اور کفار تھے جنہوں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق کہا تھا کہ اگر وہ خدا کے رسول ہیں تو ان پر کوئی ایسا فرشتہ کیوں نہیں آتا جسے ہم لوگ دیکھ سکیں" اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کو جواب دیا کہ اگر تمہارے دیکھنے کے لئے ہم فرشتہ اتاریں تب تو حجت ہی تمام ہو جائے گی اور پھر تمہیں چشم زدن کی مہلت نہیں ملے گی۔ جو لوگ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر بڑھ کر بول بولے تھے ان میں زمعہ بن اسود، نضر بن حارث، ابن کلاہ، ابی بن خلف اور عاص بن وائل تھے۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ اور دور نہ کرو ان لوگوں کو جو اپنے رب کو پکارتے ہیں"
(آیۃ ۵۲ الانعام)

کافروں کی ایک جماعت سید عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوئی تو اس نے دیکھا کہ غربا و مساکین کی جماعت آپ کے گرد اگرد بیٹھی ہوئی ہے ان کے جسموں پر پھٹے پرانے لباس ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر رؤسا کفار نے عرض کیا کہ اگر ان لوگوں کو آپ اپنی مجلس سے ہٹا دیں تو ہم لوگ ایمان لے آئیں گے اور آپ کی خدمت میں حاضر رہیں گے

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسلام کی اشاعت کے پیش نظر اُن کی درخواست کو قبول فرمالیا۔ لیکن ابھی ان کے ہٹانے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ اس آیۂ کریمہ کا نزول ہوا۔ جن فدایانِ اسلام کو کافروں نے ہٹانے کی فہمائش کی تھی وہ حضرات محترم صُہیب رومی، بلال حبشی، عمّار، خبّاب، سعد ابن ابی وقاص، عبداللہ ابن مسعود اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہم تھے

اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ۔ (پ۷۔ سورۃ الانعام) "جب بولے اللہ نے کسی آدمی پر کچھ نہیں اتارا۔"

ایک مرتبہ یہودی اپنے سب سے بڑے عالم (جس کو حبرالاحبار کہتے تھے) کے ساتھ حضور اکرم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تاکہ وہ یہودی عالم حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مجادلہ کرے۔ قبل اس کے کہ وہ کوئی سوال کرتا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "تجھے اس رب کی قسم دیتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توریت نازل فرمائی۔ کیا تجھے توریت کی یہ آیت یاد ہے؟ اِنَّ اللّٰهَ یُبْغِضُ الْحَبْرَ السَّمِیْنَ یعنی اللہ تعالیٰ موٹے عالم کو مبغوض رکھتا ہے)۔"

تو حبرالاحبار جو نہایت موٹا تھا عرض کرنے لگا "ہاں یہ آیت موجود ہے۔" حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، "تو تو موٹا ہی ہے۔" اس بات سے وہ تلملا اٹھا پھر غضبناک ہو کر بولا "اللہ نے کسی آدمی پر کچھ نہیں اتارا۔" آیت مذکورہ میں اسی یہودی عالم کا قول نقل کیا گیا ہے اور پھر اس کا جواب دیا گیا۔ اس حبرالاحبار کا نام مالک بن صیف تھا۔

قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ رُسُلُ اللّٰهِ۔ (پ۸۔ سورۃ الانعام) "بولے ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک ہمیں بھی ویسا ہی نہ ملے جیسا اللہ کے رسولوں کو ملا۔"

ولید بن مغیرہ اور ابوجہل وغیرہ نے کہا اس کیا تھا کہ جب تک ہمارے

اوپر وحی نازل نہ ہو اور ہمیں رسول نہ بنایا جائے۔ ہم لوگ ایمان لانے کے نہیں کیونکہ عمر اور دولت نیز دنیاوی وجاہت کے اعتبار سے ہم لوگ نبوت و وحی کے زیادہ حقدار ہیں۔" اللہ تعالیٰ نے اُن مجرموں کو اس آیت میں منہ توڑ جواب عنایت فرمایا ہے کہ عمر اور مال وغیرہ کی وجہ سے کوئی مستحق نبوت نہیں ہو سکتا۔ یہ تو اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ کیسے مجمع صفات اور مرکز محاسن و اخلاق کو نبوت کی ذمہ داریاں سونپی جاتی ہیں۔ تم لوگوں کو نبوت طلب کرنے سے پہلے اخلاق و کردار کے آئینے میں خود اپنا چہرہ دیکھنا چاہیئے۔ اور یاد رکھو کہ اس بڑے بول کی ذلت آمیز سزا تم لوگوں کو ملے گی۔ آیۂ مذکورہ میں قَالُوْا کے قائلین ابوجہل اور ولید بن مغیرہ وغیرہ ہیں۔

یَسْــٴَـلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰىهَا۔ (پ۹۔ سورۃ الاعراف) "اے محبوب وہ تم سے قیامت کو پوچھتے ہیں کہ وہ کب کو ٹھہری ہے؟"

یہودیوں کی جس جماعت نے قیامت کے باب میں سوال کیا تھا کہ وہ کس سنہ میں آرہی ہے؟ اس جماعت کی قیادت یہود کے علماء حسل بن ابی قشیر اور شمویل بن زید کر رہے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اس کا جاننا اور بتانا نبوت کے لوازم سے نہیں، اس کا علم میرے پروردگار کے پاس ہے اور اسی کو اس کے برپا کرنے کا اختیار ہے۔"

یَسْــٴَـلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ۔ (پ۹۔ سورۃ الانفال) "اے محبوب تم سے مالِ غنیمت کے متعلق پوچھتے ہیں۔"

حضرت عُبادہ ابن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے مطابق یہ آیت کریمہ اہلِ بدر کے حق میں نازل ہوئی کہ جب مالِ غنیمت کی تقسیم میں اختلاف رونما ہوا تو اس کا معاملہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سپرد کر دیا گیا اور اصحابِ بدر رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ کی تقسیم پر راضی رہے۔

جن بزرگوں نے مالِ غنیمت کا معاملہ آپ کے سپرد کیا تھا اُن میں سرِفہرست حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۔(پ۹ الانفال)۔ اور بیشک مسلمانوں کا ایک گروہ اس پر ناخوش تھا۔

اس آیت کریمہ کا پس منظر یہ ہے کہ ابوسفیان ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ ملک شام سے مکہ شریف کی طرف آرہے تھے۔ جس کی اطلاع بروقت مدینہ کے مسلمانوں کو مل گئی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ اس قافلہ کا تعاقب فرمایا۔ ادھر مکہ شریف میں ابوجہل کو جب اس صورتِ حال کی خبر ملی تو وہ ایک لشکرِ جرار لے کر ابوسفیان کی مدد کے لیے نکلا۔ مگر ابوسفیان نے عام تجارتی قافلوں کے راستے کو چھوڑ دیا اور بحری ساحل سے مکہ کی طرف بڑھنے لگا۔ جس کی خبر بھی ابوجہل اور اس کے لشکر کو مل گئی۔

چنانچہ اس کے عام سپاہیوں نے اصرار کیا کہ جب قافلہ بچ کر نکل گیا تو اب ہم لوگوں کا آگے بڑھنا بے سود ہے۔ ابوجہل کو اپنے رسد کی فراوانی اور سامانِ حرب و ضرب پر بڑا ناز تھا، لہٰذا اس نے اپنے سپاہیوں کی درخواست کو ٹھکرا دیا اور پیشقدمی جاری رکھی۔ ادھر صحابہ کرام کی ایک جماعت نے عرض کیا کہ جب ابوسفیان اور اس کا قافلہ ہماری زد سے باہر ہو چکا ہے تو اب ہم لوگوں کو لوٹ جانا چاہیئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کفار کے دونوں گروہوں میں سے ایک پر مسلمانوں کو غلبہ و فتح عنایت فرمائے گا"۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد پر اکثر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اپنی پیشقدمی جاری رکھنے پر آمادہ ہو گئے۔ لیکن بعض صحابیوں کو یہ عذر ہوا کہ ہم جنگ کی تیاری

کے ساتھ نہیں آئے نہ ہمارے پاس کھانے پینے کے سامان ہیں اور نہ ہی جنگی اسلحے ہیں۔ لہٰذا ہم لوگوں کو لوٹ جانا چاہیئے اور تیار ہو کر آنا چاہیئے۔ بعض صحابہ کے اس اظہارِ خیال کے بعد حضرت سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا فاروق اعظم نیز دیگر صحابیوں (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) نے کھڑے ہو ہو کر اپنے اخلاص و جاں نثاری اور اطاعت و فرمانبرداری کا اعلان فرمایا۔ چنانچہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کے ساتھ اپنی پیشقدمی جاری رکھی، جس کے نتیجہ میں معرکۂ بدر رونما ہوا اور مسلمانوں کی مختصر سی جماعت کو کفار کے لشکرِ جرار پر فتح و نصرت حاصل ہوئی۔

جن حضراتِ صحابہ کرام نے عذر پیش کیا تھا اور نہتے آگے بڑھنے سے ناخوش تھے اُن کی ترجمانی حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کر رہے تھے۔

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۔(پ۹ الانفال)۔ اے کافرو! اگر تم فیصلہ مانگتے ہو تو یہ فیصلہ تم پر آچکا۔

جنگ بدر سے پہلے جب کفارِ مکہ پوری تیاری کے ساتھ نکل رہے تھے تو ابوجہل اور دیگر سردارانِ کفار نے کعبہ مکرمہ کے غلاف کو تھام کر یہ دعا کی تھی "اے ربِ کعبہ ہم میں اور محمد میں جو حق پر ہو اس کی مدد فرما اور جو ناحق ہو اس کو ذلت و رسوائی میں مبتلا کر دے"۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ جنگ سے پہلے میدانِ بدر ہی میں مسلمانوں کے سامنے کافروں نے یہ دعا کی تھی۔

جب اسلام و کفر کا پہلا معرکہ (جنگ بدر) واقع ہوا اور اس میں کافروں کے بڑے بڑے سردار موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے، ابوجہل بھی ذلت و رسوائی کی موت مرا اور مسلمانوں کو فتح عظیم حاصل ہوئی تو ابوجہل کا سر

حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے لایا گیا، اسی وقت آیتِ مذکورہ کا نزول ہوا کہ "تم جو فیصلہ طلب کرتے تھے وہ فیصلہ ہو چکا" یعنی اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی حقانیت اور کفر و طواغیت کا بطلان تمہاری طلب کے مطابق آشکارہ ہو چکا۔ تو آیتِ شریفہ میں فیصلہ مانگنے والے سے مراد ابوجہل اور اس کے ہمنوا ہیں۔

وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ ۔(پ۹، الانفال) — اے محبوب! یاد کرو جب کافر تمہارے ساتھ مکر کرتے تھے کہ تمہیں بند کر لیں یا شہید کر دیں یا نکال دیں۔

اس آیت میں دار الندوہ کے تجاویز کا ذکر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق مکہ کے رؤسا اور اہل الرائے کی ایک اہم ترین میٹنگ مکہ کے دار الندوہ میں ہوئی جس میں ابلیس لعین بھی شیخ نجد کی صورت میں موجود تھا۔ اس میٹنگ میں سب سے پہلی تجویز ابو البختری نے یہ پیش کی کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو پکڑ کر ایک تنگ و تاریک کوٹھری میں بند کر دو جس میں ایک معمولی سوراخ ہو جہاں سے برائے نام کھانا پانی دے دیا کرو۔ چند دنوں میں وہ خود ہی ہلاک ہو کر رہ جائیں گے اور ہم لوگ ایک عظیم فتنہ سے چھٹکارا پا جائیں گے۔" (معاذ اللہ تعالیٰ)

شیخ نجد نے اس تجویز کو یہ کہتے ہوئے مسترد کر دیا کہ اگر ان کے قید و بند کی اطلاع ان کے ماننے والوں کو ہوگی یا صلح پسند لوگوں کو ہوگی تو وہ لوگ آکر چھڑا لے جائیں گے اور تمہارا پلان دھرا کا دھرا رہ جائے گا۔" ابو البختری کی رائے مسترد ہو جانے کے بعد ہشام بن عمرو کھڑا ہوا اور اس نے کہا، "میری تجویز یہ ہے کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو کسی

تیز رفتار اونٹنی پر بیٹھا کر اونٹنی کو ہنکا دو پھر وہ دور بہت دور چلے جائیں جہاں سے ان کے تبلیغی کارنامے ہم تک نہ پہنچ سکیں گے نہ ہم کو کوئی ضرر ہوگا۔" اس تجویز کو سن کر شیخ نجد نے کہا یہ تو پہلی تجویز سے بھی زیادہ بودی تجویز ہے کیونکہ جس کی باتوں کا جواب عقلائے قریش کے پاس نہیں ہے اس کا جواب دوسرے قبیلوں کے پاس کیا ہوگا؟ پھر نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اپنی جادو بیانی اور شیریں زبانی کے ذریعہ چند ہی دنوں میں ایسا جتھا تیار کر لے گا جس کے مقابلہ کی تاب تم لوگ نہیں لا سکتے ہو اور بالآخر وہ مکہ پر قابض ہو جائے گا اور تمہیں اپنا غلام بنا لے گا۔" پورے مجمع نے شیخ نجد کی تجویز کو سراہا اور اس طرح دوسری تجویز بھی مسترد ہو گئی۔ پھر رئیس الکفار ابوجہل ناہنجار کھڑا ہوا اور اس نے یہ تجویز پیش کی کہ قبیلہ قریش کے ہر خاندان سے ایک ایک عالی نسب نوجوان کا انتخاب کیا جائے اور سبھوں کو زہر میں بجھائی ہوئی تیز تیز تلواریں دی جائیں اور سب جا کر محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے گھر کا محاصرہ کر لیں۔ اور جیسے ہی موقع ملے سب یکبارگی ان پر حملہ آور ہو جائیں۔ اس طرح یہ پتہ چلانا مشکل ہو جائے گا کہ کس کی تلوار سے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) قتل کئے گئے (معاذ اللہ تعالیٰ) ایسی صورت میں اہلِ قریش سارے خاندان کا مقابلہ تو کر نہیں سکتے، بالآخر خون کا بدلہ دینے کی بات آئے گی تو خون بہا ادا کر دیا جائے گا۔"

ابلیس لعین جو شیخ نجد کی صورت میں تھا اس تجویز کو سن کر بہت خوش ہوا اور ابوجہل کی دانشمندی کی خوب خوب تعریفیں کیں۔ پھر سبھوں کی رائے سے ابوجہل کی تجویز پاس ہو گئی۔ جوانوں نے ننگی تلواروں کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کاشانۂ اقدس کا محاصرہ کر لیا۔

ادھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بحکم خداوندی حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو کافروں کے منصوبوں سے آگاہ کردیا۔ پھر اللہ کا پیارا حبیب اَمراضِ عصیاں کا طبیب صلی اللہ علیہ وسلم ان کافروں کے یلغار سے بے نیاز ہوکر محاصرہ کے درمیان سے کلامِ الٰہی پڑھتے ہوئے نکل گیا۔ کسی نگاہ نے اس نورِ اوّلین اور نورِ عین کو نہیں دیکھا۔ اپنے بستر پر حضرت مولیٰ علی کرّم اللہ وجہہ کو چھوڑا اور حضرت یارِ غار صدیق وفا شعار کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ آیۂ مذکورہ میں اللہ تعالٰی نے انہیں تجاویزِ ندوہ کا ذکر فرمایا ہے۔ ندوہ کی میٹنگ میں چاروں سرغنوں کے علاوہ عتبہ و شیبہ ابنا ربیعہ ابوسفیان، جبیر بن مطعم، طعیمہ بن عدی، حارث بن عامر، نضر بن حارث، زمعہ بن اسود، حکیم بن حزام اور امیہ بن خلف وغیرہم شریک تھے۔

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ (پ۹،الانفال:۳۲) — اور جب بولے اے اللہ اگر یہی (قرآن) تیری طرف سے حق ہے۔

کافروں نے عاجز ہوکر یہ دعا مانگی تھی کہ اگر واقعی قرآن رب العالمین کا کلام ہے تو پھر ہمارے اوپر پتھروں کی بارش یا کوئی دردناک عذاب آنا چاہیئے۔ اللہ تعالٰی نے جواب عنایت فرمایا کہ "ہاں تم عذاب کے مستحق ضرور ہو۔ مگر تمہارے درمیان رحمۃ للعالمین بھی تو موجود ہیں، اس لئے تمہیں مہلت دی جارہی ہے۔ جن کافروں نے یہ بددعا اپنے حق میں کی تھی اُن میں ابوجہل اور نضر بن حارث تھے۔

اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَاۗءِ دِيْنُهُمْ (پ۹،الانفال:۴۹) — جب کہتے تھے منافق اور وہ جن کے دلوں میں آزار ہے کہ یہ مسلمان اپنے دین پر مغرور ہیں۔

مدینہ کے منافقین اور مکہ کے وہ کافرین جنہوں نے زبانی کلمۂ اسلام

تو پڑھ لیا تھا مگر ان کے دلوں میں شک و تردّد باقی تھا۔ پھر میدان بدر میں مسلمانوں کی قلت و بے سروسامانی اور کافروں کی کثرت نیز سامان جنگ کی بہتات دیکھ کر وہ لوگ برملا مرتد ہوگئے یعنی اسلام سے برگشتہ ہوکر کھلم کھلا مشرکوں اور کافروں کے ساتھ ہوگئے۔ اللہ تعالٰی نے ان ہی منافقین اور صاحبِ آزار کافرین کا ذکر اس آیت میں کیا ہے۔ مدینہ منورہ کے مشہور منافقین کے علاوہ مکہ شریف کے یہ لوگ (عتبہ بن ابی ربیعہ، قیس بن ولید، ابوقیس بن فاکہ، حارث بن زمعہ، عاص بن منبہ) اس جماعت میں شامل تھے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى (پ۱۰،الانفال) — اے نبی محترم! جو قیدی تمہارے ہاتھ میں ہیں اُن سے فرماؤ۔

اِن قیدیوں سے مراد وہ قیدی ہیں جو جنگ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھ قید ہوئے تھے جن کی تعداد تاریخِ اسلام نے ستّر بتائی ہے۔ انہی قیدیوں میں حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اپنے چچا حضرت عباس ابن عبدالمطلب بھی تھے۔ جن کے پاس قید ہونے کے وقت آٹھ سَو دینار سونا تھا جو اس غرض سے لائے کہ مسلمانوں کے خلاف میدانِ جنگ میں اُسے خرچ کیا جائے گا۔ لیکن خرچ کرنے سے پہلے جنگ ہار کر وہ گرفتار ہوگئے اور مسلمانوں نے وہ سارا سونا مالِ غنیمت میں جمع کردیا پھر جب فدیہ پر جنگی قیدیوں کو چھوڑنے کی بات آئی تو حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سب سے زیادہ فدیہ کا بوجھ حضرت عباس پر ڈالا کہ آپ اپنا فدیہ بھی ادا کرو اور اپنے دونوں بھتیجوں (عقیل بن ابی طالب، نوفل بن حارث) کا بھی۔ حضرت عباس نے عرض کیا یا محمد (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کیا تم مجھے اس حال میں چھوڑ دو گے کہ میں بقیہ عمر اہل قریش کے

سامنے ہاتھ پھیلاتا رہوں" حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

" اے عباس! اُس سونا کو کیا کرو گے جس کو اُمّ الفضل (زوجۂ عباس) نے اس وقت زمین میں دفن کیا جب تم جنگ کے ارادے سے روانہ ہو رہے تھے اور تم نے اپنی بیوی سے یہ آخری بات کہی تھی کہ پتہ نہیں کیا حادثہ پیش آئے۔ اگر میں اس سفر میں کام آجاؤں تو یہ مال تمہارا اور عبداللہ، عبیداللہ، فضل اور قثم کا ہے"

حضرت عباس نے عرض کیا: "آپ کو یہ بات کس نے بتائی؟" حضور اکرم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے میرے پروردگار نے باخبر کیا ہے۔" حضرت عباس رضی اللہ تعالٰے عنہ نے کلمۂ طیبہ پڑھ کر آپ کے دامن کو تھاما اور عرض کیا: "بیشک میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بیشک میں گواہی دیتا ہوں آپ اللہ کے بندے اور سچے نبی ہیں۔" پھر حضرت عباس نے اپنے دونوں بھتیجوں کو بھی حکم دیا کہ وہ اسلام قبول کرلیں۔ چنانچہ وہ حضرات بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔

اس آیت میں جن مخصوص قیدیوں کا ذکر ہے اس سے مراد حضرت عباس، حضرت نوفل، حضرت عقیل اور سہیل بن بیضاء وغیرہم ہیں۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ ط — اور یہودی بولے عزیر اللہ کا بیٹا ہے۔ (التوبہ)

یہودیوں کی ایک جماعت حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی: "آپ کی ہم کیسے اتباع کریں آپ نے تو ہمارا قبلہ چھوڑ دیا اور حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا بھی تسلیم نہیں کرتے۔" قرآن کریم نے یہودیوں کے اس کافرانہ قول کا ردِّ بلیغ فرمایا اور فرمایا کہ یہ

ان کافروں کی بولی ہے جن پر اللہ تعالٰے کی لعنت ہوئی اور قیامت میں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔" جو جماعت سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت مبارکہ میں حاضر ہوئی تھی اس کی پیشوائی اسلام بن مشکم نعمان بن اوفیٰ، محمد بن دحیہ، شاس بن قیس، اور مالک بن صیف کر رہے تھے۔

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقَاتِ — جو عیب لگاتے ہیں اُن مسلمانوں کو جو دل سے خیرات کرتے ہیں۔ (آیت ۷۹ سورہ توبہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰے عنہ سے مروی ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو صدقہ و خیرات کی رغبت دلائی تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالٰے عنہ چار ہزار درہم لیکر حاضر خدمت ہوتے اور عرض کرنے لگے۔

" یارسول اللہ! صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْكَ وَسَلَّمَ میرا کل مال آٹھ ہزار درہم تھا۔ آدھا میں نے بال بچوں کے لئے رکھ دیا، اور آدھا راہِ خدا میں حاضر ہے اسے قبولیت کا شرف عطا فرمایئے۔"

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا: "جو تم نے دیا۔ اللہ تعالٰی اس میں برکت عطا فرمائے اور جو تم نے روک لیا۔ اللہ تعالٰے اس میں بھی برکت عطا فرمائے۔"

اس مبارک دعا کا یہ اثر ہوا کہ جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالٰی عنہ نے وفات پائی تو انہوں نے ترکہ میں تقریباً ساڑھے آٹھ لاکھ درہم چھوڑا۔ حضرت عبدالرحمٰن کی طرح دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے بھی صدقہ کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ جن صحابۂ کرام کے پاس نانِ شبینہ

کے لئے بھی کچھ نہیں تھا انہوں نے محنت و مزدوری کر کے جو ہو سکا حاضر خدمت کر دیا۔ اس جذبۂ خلوص و جانثاری کو دیکھ کر منافقوں نے کہنا شروع کیا کہ یہ سب ریاکاری ہے یا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔" اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کی بدزبانی پر عذاب الیم کی سزا سنائی۔ اور صدقہ دینے والے مسلمانوں کی تعریف فرمائی۔

اس آیت میں وہ مسلمان شامل ہیں جنہوں نے صدقہ و خیرات میں حصّہ لیا۔ مفسرین کرام نے خصوصیّت کے ساتھ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ذکر فرمایا ہے۔ اور جن بزرگ صحابیوں نے محنت و مزدوری کر کے صدقہ میں حصّہ لیا ان میں حضرت ابوعقیل انصاری اور حضرت رفاعہ بن سعد رضی اللہ تعالےٰ عنہم کا ذکر فرمایا ہے۔

وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ إِذَا مَآ أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ — "اور نہ ان پر جو تمہارے حضور حاضر ہوں کہ تم انہیں سواری عطا فرماؤ" (آیۃ ۹۲ التوبۃ)۔

چند صحابۂ کرام میدان جہاد میں جانے کے لئے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور مسافت کی دوری کے پیشِ نظر حضور اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے سواری کی درخواست کی۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، "کہ سواری تو ہے نہیں جو میں تمہیں دوں۔" تو وہ حضرات بادلِ ناخواستہ آنکھوں میں ابلتے ہوئے آنسو لے کر واپس ہو گئے۔ انہی حضرات گرامی کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی اور وہ حضرات عرباض بن ساریہ، حضرت عبداللہ بن مغفل، حضرت عمرو بن مزنی، حضرت عبداللہ بن ازرق، اور ابولیلیٰ انصاری رضی اللہ تعالےٰ عنہم تھے۔

فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ أَنْ يَّتَطَهَّرُوْا — "اس میں وہ لوگ کہ خوب ستھرا ہونا چاہتے ہیں۔" توبۃ

مسجد قبا کو تعمیر فرما کر اس کو آباد کرنے والے وہ معزز اور بزرگ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں جن کی خوبیوں کو اللہ تعالیٰ نے مقام ثنا میں بیان

فرمایا ہے۔

ایک مرتبہ حضور پُرنور سیّد عالم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے حضرت عویم بن سعدہ انصاری سے دریافت فرمایا: اے گروہ انصار! اللہ تعالیٰ نے تمہاری ثنا فرمائی۔ آخر تم استنجے کے وقت کیا عمل کرتے ہو؟" تو انہوں نے عرض کیا "یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم! ہم بڑے استنجے میں پانی لینے سے قبل تین پاک ڈھیلوں کا استعمال کرتے ہیں۔ شاید یہ عمل ہمارا بارگاہِ خداوندی میں مقبول ہو۔" اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر یہ آیۂ کریمہ نازل فرمائی جس میں ان کی طہارت و پاکیزگی کی تعریف کی گئی۔ طہارت میں مبالغہ کرنے والے اور اس عمل کو محبوب رکھنے والے یوں تو بہت سارے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے۔ مگر حضرت عویم بن ساعدہ کا ذکر خصوصیت کے ساتھ تفسیر میں ملتا ہے۔

إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيْمَانِ — "لیکن جو مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو۔" (آیۃ ۱۰۶ النحل)

ابتدا سے یہ آیتِ پاک ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی، جو ایمان لانے کے بعد مرتد ہو گئے اور اخروی زندگی پر دنیاوی زندگی کو ترجیح دی۔ مگر درمیانِ آیت میں ان مجبور لوگوں کو مستثنیٰ فرما دیا گیا ہے جن کا دل ایمان اور اس کی حقانیت پر خوب جما ہوا ہو، اور کافروں کے ظلم و جبر اور ایذارسانی کی وجہ سے ان کی زبان سے کوئی کلمۂ کفر جاری ہو جائے، یا اُن سے بالجبر کلمۂ کفر کا تلفظ کرایا جائے۔ مکۂ مکرمہ میں ایسی ہی صورتِ حال سے حضرت عمار اور ان کے والدین اور حضرت عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دوچار ہونا پڑا۔ حضرت عمار کے والدین کریمین حضرت یاسر اور سمیّہ کو کافروں نے نہایت بے رحمی اور سفاکی سے قتل کیا۔ حضرت عمار اپنے ضعف و نقاہت کی وجہ سے بھاگنے سے مجبور تھے۔ بالآخر کافروں کے چنگل میں پھنس گئے۔ جب اُنکی جان پر

بن گئی اور کفّار واقعی قتل کرنے پر آمادہ ہو گئے تو بادلِ ناخواستہ انہوں نے ان کلموں کا تلفظ کر دیا جو کفار کہلوانا چاہتے تھے۔ پھر اس کی خبر مدینہ منوّرہ میں پہنچ گئی، حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، "ایمان عمّار کے گوشت پوست اور خون میں پیوست ہے یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ وہ دولتِ ایمان سے محروم ہو جائیں۔"

پھر جب حضرت عمّار رضی اللہ تعالیٰ عنہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو روتے ہوئے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم بہت بُرا ہو گیا۔ کیونکہ میری زبان سے کچھ ایسے کلمات ادا کروا لئے گئے جس کا تصوّر بھی میری ایمانی دنیا کو متزلزل کر دیتا ہے۔" ارشادِ گرامی ہوا: "اے عمار! اُس وقت تیرے دل کا کیا حال تھا؟" عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم! دل تو ایمان پر خوب جما ہوا تھا!" پھر حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُن پر شفقت و رحمت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ "نا امید نہ ہو" اسی موقع سے یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی جو حضرت عمار ابن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور دیگر حضرات بھی جو اس قسم کے ناگزیر حالات سے گزرے تھے مثلاً عیاش بن ابی ربیعہ وغیرہ، ان کے زخمی دلوں پر مرہم رکھ گئی۔

آیۂ مقدسہ میں صیغۂ واحد کا استعمال ہوا ہے مگر مُراد ایک جماعتِ صحابہ ہے۔ بلکہ قیامت تک کے مجبور و مظلوم مسلمان جو اس کٹھن راستے سے گزریں گے اس رحمت و رافت کے سائے میں ان کے لئے گنجائش رکھی گئی ہے۔

بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا۔ "ہم نے تم پر اپنے بندے بھیجے۔" آیۂ بنی اسرائیل

یہ آیت بنی اسرائیل کے حق میں نازل ہوئی جس میں انہیں ان کے ماضی کا آئینہ دکھلایا گیا ہے کہ تم جب بھی سرکشی و نافرمانی میں حد سے آگے

بڑھ گئے تو تمہاری اِصلاحِ حال کے لئے مختلف شکلوں میں عذابِ الٰہی آتا رہا۔ یہاں عِبَادًا لَّنَا سے مراد یا تو بخت نصر ہے یا وہ جو بابلین کا نہایت جابر اور سنگدِل بادشاہ تھا اور جس نے چھٹی صدی (قبل مسیح) میں بابل سے نِکل کر یہودی آبادی کو تہس نہس کر دیا یہاں تک کہ یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجا دی یہودیوں کے کعبہ کو مسمار کر دیا اور چُن چُن کر یہودیوں کو اپنا اور اپنے شہریوں کا غلام بنا لیا۔

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "الاتقان" ش ۲ میں عِبَادًا لَّنَا سے مراد طالوت اور ان کے رُفقاء کو لیا ہے۔ اگر طالوت اپنے ساتھیوں کے ساتھ مراد ہیں تو یہ بخت نصر سے پہلے کا واقعہ ہے کیونکہ طالوت ہی کے لشکر میں حضرت داؤد علیہ الصّلوٰۃ والسّلام تھے جن کی حکومت یروشلم اور دُور دور تک اس کے اِردگرد قائم ہوئی۔ حضرت داؤد علیہ السّلام کا دورِ حکومت گیارہویں صدی قبلِ مسیح ہے اور یہ یہودیوں کا نہایت ہی زرّین دور تھا۔ لہٰذا مذکورہ آیت کے سیاق و سباق سے یہی واضح ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے بطورِ عذاب یہودیوں پر ظالم و جابر بادشاہ کو مسلّط فرمایا وہ بخت نصر ہی تھا۔ یا بقولِ بعض جالوت و سنجاریب۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ بنی اسرائیل "اور قریب تھا کہ وہ تمہیں کچھ لغزش دیتے۔"

علماءِ مفسرین کے نزدیک وہ دو گروہ تھے جو حضور پرنور سیّد عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو لغزش دینے کی کوشش کر رہے تھے۔ یا تو وہ بنی ثقیف کا وفد تھا یا قریش کے سر برآوردہ لوگ، مثلاً ابوجہل اور امیّہ ابن خلف جنہوں نے خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر کہا تھا کہ ہم لوگ جانتے ہیں کہ آپ سچے ہیں، امین ہیں کوئی غلط بات آپ کی زبان پر کبھی جاری نہیں ہوئی۔ ہم لوگ آپ پر ایمان تو لانا چاہتے ہیں مگر اس شرط پر کہ ہمیں

اوروں کے مقابلہ میں اعزازی حیثیت دی جائے۔" حضور اقدس صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے دریافت فرمایا۔ "وہ امتیاز کیا ہے ؟" تو اُن لوگوں نے عرض کیا کہ ہمارے لئے ایسی نماز ہو جس میں رکوع و سجود نہ ہوں۔ کیونکہ رکوع میں عجز اور سجدوں میں ذلت کا اظہار ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ ایک سال تک ہمیں لات و عزّٰی سے فائدہ اُٹھا لینے کی اجازت دی جائے یعنی ہم تو اس کی عبادت نہیں کریں گے۔ لیکن جو لوگ اس کے لئے نذرانے اور چڑھاوے لائیں گے اُسے لے لینے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ اور تیسرے یہ کہ ہم اپنے بتوں کو اپنے ہاتھوں سے نہیں توڑیں گے۔"

حضور ہادی عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "اُس دین میں کوئی بھلائی نہیں جس میں رکوع اور سجدے نہ ہوں، اور لات و عزّٰی سے فائدہ اٹھانے کی اجازت تو میں ایک آن کے لئے بھی نہیں دے سکتا۔ باقی رہا بتوں کو توڑنا تو یہ تمہاری مرضی ہے۔" پھر وہ کہنے لگے "جب تو ہمیں کوئی اعزاز ہی نہیں ملا۔ اور جب عام قبیلوں کی صف میں ہم کر دیئے گئے تو گویا اپنے ہاتھوں ہم نے ذلّت مول لی۔ ہاں اگر آپ کو ڈر ہو کہ آپ کے متبعین ہمارے اس اعزاز پر اعتراض کریں گے تو بس اُن سے اتنا کہہ دیجئے کہ یہی ربُّ العٰلمین کا حکم ہے۔"

حضور اکرم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کے جواب ارشاد فرمانے سے پہلے قبل ازیں حضرت جبرئیل علیہ السلام آیۃ مذکورہ لے کر حاضر خدمت ہو گئے اور دجل و فریب کرنے والوں کا سارا منصوبہ خاک میں مل گیا۔ تو اس آیۃ مبارکہ میں فتنہ برپا کرنے والوں سے مُراد یا تو وفد ثقیف ہے یا ابوجہل و امیّہ۔

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا (بنی اسرائیل ۹۰) اور بولے کہ ہم تم پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ تم ہمارے لئے زمین سے کوئی چشمہ بہا دو۔"

کفارِ قریش جب اپنے تمام حیلے بہانے اور مکر و فریب اور اثر و رسوخ کے باوجود اسلام کی ضیا بار کرنوں کو پھیلنے سے نہیں روک سکے تو سرداران قریش دوسرے قبیلوں کے سرداروں کے ساتھ حرمِ کعبہ میں جمع ہوئے۔ تاکہ پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آخری فیصلہ کر لیا جائے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کو حرمِ محترم میں بلایا گیا۔ ہر طرح کی پیشکش کی گئی۔ تاکہ آپ تبلیغِ اسلام چھوڑ دیں۔" آپ نے فرمایا "یہ تو کسی حال میں نہیں ہو سکتا کیونکہ میں اسلام کی تبلیغ و تکمیل ہی کے لئے بھیجا گیا ہوں۔" سرداروں نے عرض کیا۔ "آپ نے اپنی قوم کے لئے جو دشواریاں کھڑی کر دی ہیں اس کا پاٹا جانا ممکن نہیں۔ آپ ملکِ عرب میں پہلے آدمی ہیں جنہوں نے ہمارے باپ داداؤں کو بُرا کہا اور اُن کے دین کو باطل ٹھہرایا۔ ہمارے دانشمندوں کو بے وقوف اور ہمارے معبودوں کو جہنم کا ایندھن بتایا، مکّہ کے سارے قبیلوں کو تتر بتر کر کے چھوڑ دیا۔ آخر آپ کا مقصد کیا ہے ؟"

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے جواب دیا کہ:

صرف ایک "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" میں اسی کے لئے بھیجا گیا ہوں کہ سارے انسانوں کو کلمۂ توحید کا پیغام پہنچا دوں۔ اب اگر آپ لوگ اس پیغام کو تسلیم کر لیتے ہیں تو یہ آپ کی خوش نصیبی، دنیا کی بہتری اور آخرت کی کامیابی ہے۔ اور اگر تسلیم نہیں کرتے ہیں تو میں امرِ ربی کا انتظار کروں گا۔ وہی میرے اور میری قوم کے درمیان بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔"

سرداروں نے کہا: "اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ واقعی خدا کے بھیجے ہوئے ہیں تو مکّہ کے سنگلاخ پہاڑوں کو سرسبز کھیتیوں میں تبدیل کر دیں یا ہمارے

سامنے آسمان سے فرشتوں کو بلائیں جو خدا کی کتاب لاکر آپ کے حوالہ کریں یا خدا ہی کو ہمارے سامنے کردیں۔ اور اگر یہ سب نہیں کرسکتے ہیں تو اپنے خدا سے کہئیے کہ وہ آپ کے لئے باغوں کے درمیان ایک خوبصورت مکان بنادے اور اس کو سونے چاندی کے خزانوں سے بھر دے" حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا" یہ سب باتیں فرائض نبوت میں داخل نہیں۔ ہمارے فرائض میں جن باتوں کا پہنچانا ہے میں نے ان باتوں کو آپ تک پہنچادیا۔ اگر آپ لوگ انہیں مان لیتے ہیں تو دنیا اور آخرت کی خوش نصیبی ہے اور اگر نہیں مانتے ہیں تو میں صبر کروں گا۔ کیونکہ خداوند کریم کی طرف سے مجھے یہی حکم ہے" یہ فرما کر سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس مجمع سے اٹھ گئے، آپ کے ساتھ عبد اللہ ابن امیہ بھی اٹھا اور کہنے لگا۔ اے محمد! یہ یاد رکھئیے کہ جب تک ہم لوگ آپ کے خدا کو دیکھ نہ لیں یا فرشتوں کو کتاب الٰہی لاتے ہوئے دیکھ نہ لیں اس وقت تک ہم آپ کی باتوں پر ایمان نہیں لائیں گے۔ یا کم از کم اتنا ہی کیجیے کہ مکہ کے پہاڑوں سے چشمہ ہی جاری کردیجئیے" ابن امیہ کی یہ بات خاطر اقدس پر سخت ناگوار گزری، اور آپ رنجیدہ ہوتے۔ اسی وقت آیۂ مذکورہ نازل ہوئی جس میں عبد اللہ بن امیہ کے قول کو نقل کیا گیا۔ اور آپ کی تسلی خاطر کے لئے فرمایا گیا کہ اے محبوب اگر یہ لوگ فرشتے ہوتے تو فرشتوں کو رسول بنا کر بھیجا گیا ہوتا۔ آپ صرف یہ کہہ دیں کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ ہی کافی ہے جو عنقریب فیصلہ فرمادے گا۔

أَفَتَتَّخِذُونَهُ وَذُرِّيَّتَهُ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِي ۔ "تو کیا اسے اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست بناتے ہو" (آیۃ ۵۰ الکہف)

یہاں "ہٗ" کی ضمیر ابلیس لعین کی طرف ہے اور "ذریت" سے ابلیس علیہ اللعن کی

اولاد مراد ہے۔ ابلیس کی بعض اولاد کے یہ نام ہیں بشبر، اعور، زلنبور، مسوط، قاسم وغیرہم۔

وَقَالُوا إِنْ نَتَّبِعِ الْهُدَىٰ مَعَكَ ۔ "اور کہتے ہیں اگر ہم تمہارے ساتھ ہدایت کی پیروی کریں" (آیۃ ۵۷ القصص)

یہ آیۃ کریمہ حارث بن عامر یا حارث بن عثمان ابن نوفل کے حق میں نازل ہوئی جس نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا تھا کہ آپ کی باتوں پر یقین ہے مگر ہم ایمان اس لئے نہیں لائیں گے کہ اہل عرب میرا جینا دوبھر کردیں گے اور اس سرزمین سے نکال باہر کریں گے" تو اس آیت میں "قالوا" کا فاعل حارث ہے۔

(یہاں ان آیاتِ مبہمات کو مثالاً پیش کیا جارہا ہے جن میں صیغے تو جمع کے ہیں لیکن ان کے ایک دو افراد ہی کا علم علمائے تفاسیر کو ہوسکا۔ اس لئے جماعت کے تمام ارکان کا نام تفسیروں میں نہیں ہے۔)

أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا ۔ "کیا لوگ اس گمان میں ہیں کہ وہ چھوڑ دیئے جائیں گے" (آیۃ ۲ العنکبوت)

یہ آیت ان بزرگ صحابیوں کے حق میں نازل ہوئی جو ہجرت نبوی کے بعد مکہ میں ایمان لائے اور کفار و مشرکین کی ایذاؤں کو برداشت کیا۔ انہیں میں سے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہاں "الناس" سے مراد سلمہ بن ہشام، عیاش بن ابی ربیعہ اور ولید بن ولید وغیرہم ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ آیت حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام حضرت سیدنا مہجع بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی جن کی شہادت میدان بدر میں سب سے پہلے ہوئی، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

انہیں سیدالشہداء فرمایا اور فرمایا کہ اس امت میں وہ بابِ جنّت سے پہلے پکارے جائیں گے۔ اِس آیتِ کریمہ کے نزول کے بعد حضرت مہجع کے والدین اور بیوی کو صبر و سکون حاصل ہوا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا (اٰیات العنکبوت) ، اور کافر مسلمانوں سے بولے ہماری راہ پر چلو۔

مکّہ کے کافروں نے مکہ شریف کے مسلمانوں سے کہا تھا کہ تم لوگ پھر ہمارے دھرم کو قبول کرلو۔ اگر اس تبدیلیٔ مذہب کی وجہ سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خدا نے تمہاری گرفت کی تو ہم لوگ اس کے کفیل ہوجائیں گے، تمہارا عذاب اپنے سروں پر اٹھالیں گے اور تمہارے اوپر کوئی آنچ نہیں آنے دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کافروں کے قول کو نقل فرماکر اس کی تکذیب فرمائی۔ اور یہ بڑی بولی بولنے والے کافروں کی سربراہی ولید بن مغیرہ کو حاصل تھی۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ (اٰیۃ لقمان) اور کچھ لوگ کھیل کی باتیں خریدتے ہیں۔

قرآنی اعجاز اور فصاحت و بلاغت کے سامنے جب لوگوں کے قلوب جھکنے لگے اور اہل مکہ آہستہ آہستہ حلقہ بگوشِ اسلام ہونے لگے تو مکہ کے بعض تاجر پیشہ لوگ شام و یمن اور مصر و فارس سے قصہ کہانی کی کتابیں لا لاکر مکہ کے لوگوں کو دینے لگے جن میں رستم و اسفندار اور شاہانِ فارس کی من گھڑت کہانیاں ہوتی تھیں۔ لوگ انہیں مزے لے لے کر پڑھتے اور سنتے تھے۔ کافروں کا یہ حربہ کچھ دنوں تک ایسا کامیاب ہوا کہ عامۃ الناس قرآنی سماعت سے محروم ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہی کتب کے بیوپاریوں کے حق میں یہ آیت پاک نازل فرمائی اور جو لوگ ایسی

کتابوں کی تجارت کرتے تھے ان کی سربراہی نضر بن حارث بن کلاہ کر رہا تھا اور اس آیت کا خصوصی اشارہ اسی کی طرف ہے۔

فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ (اٰیۃ۲۳ الاحزاب) ، تو اُن میں کوئی اپنی منّت کو پوری کرچکا، اور کوئی راہ دیکھ رہا ہے۔

مدینہ منورہ میں بعض بزرگ صحابیوں نے آپس میں یہ عہد و پیمان کیا تھا کہ اگر سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زیرِ لوا میدانِ جہاد میں جانے کا موقع ملے گا تو ہر حال میں ہم لوگ ثابت قدم رہیں گے، چاہے قدم رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جانوں کے نذرانے ہی کیوں نہ پیش کرنا پڑے۔ اُن صحابیوں میں سرِفہرست حضرت عثمان غنی، حضرت طلحہ، حضرت سعید بن زید، حضرت حمزہ، حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت انس بن نضر رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے۔ آیۂ مذکورہ میں حضرت حمزہ، حضرت مصعب اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکر ہے جو ثابت قدم رہے اور اپنی جانوں کا نذرانہ پیش فرماکر شہید ہوگئے۔ اور اُن حضرات کا بھی ذکر ہے جو شہادت کا انتظار فرما رہے تھے مثلاً حضرت عثمان، حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہ بالآخر اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی شہادت سے شادکام فرمایا۔

وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ (اٰیۃ۶ صٓ) ، اور اُن میں کے سردار چلے۔

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے کے بعد کفار و مشرکین کے درمیان کھلبلی مچ گئی۔ ولید بن مغیرہ نے قریش کے تمام سرداروں کو جمع کیا اور انہیں حضرت ابوطالب کے پاس لایا تاکہ ان کے ذریعہ پیغمبرِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام پر دباؤ ڈالا جائے کہ وہ اسلام کی اشاعت اور بتوں کی مذمت چھوڑ دیں۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"آپ لوگ کیا چاہتے ہیں؟" سردارانِ قریش نے کہا "ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے معبودوں کا ذکر چھوڑ دیجیے ہم بھی آپ کے معبود سے کوئی تعرض نہیں کریں گے۔" سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اگر آپ ایک بات قبول کر لیجیے تو عجم و عرب کے فرمانروا ہو جائیں گے۔" سردارانِ قریش نے کہا "ایک بات تو کیا ہم تو دس بات قبول کرنے کے لئے تیار ہیں۔" آپ نے ارشاد فرمایا تو پھر کہیے "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" اتنا سنتے ہی سردارانِ قریش بدک گئے اور بدزبانی کرتے ہوئے وہاں سے لوٹ آئے۔ آیۂ مذکورہ میں انہیں لوٹنے والوں کا ذکر ہے، یعنی عقبہ بن ابی معیط، ابوجہل، عاص بن وائل، اسعد بن مطلب، اسود بن یغوث اور ولید بن مغیرہ وغیرہم۔

وَقَالُوْا مَالَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ. (آیت ۶۲ ص) — اور بولے ہمیں کیا ہوا ہم اُن مردوں کو نہیں دیکھتے جنہیں شریر سمجھتے تھے۔"

قرآن کریم نے جہنمی کافروں کا مقولہ نقل کیا ہے کہ قیامت کے بعد جہنم میں پہنچ کر ابوجہل اور اس کے ہمنوا بولیں گے کہ بلال و عمار اور انکے ہمخیال لوگوں کو یہاں کیوں نہیں دیکھ رہے ہیں؟ یہ تو دنیا میں نہایت ہی کمتر اور غریب لوگ تھے مگر واقعی وہ لوگ شریر و حقیر نہیں تھے جیسا کہ ہم لوگ سمجھتے تھے!

اس آیت پاک میں قَالُوْا کے قائل ابوجہل اور اس کے ساتھی ہیں جبکہ رِجَالًا سے مراد حضرات عمار و بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ان جیسے دوسرے غریب و مسکین مسلمان ہیں۔

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ. (آیت ۲۹ الاحقاف) — اور جبکہ ہم نے تمہاری طرف کتنے جنوں کو پھیر دیا۔"

یہ اُن جنوں کا ذکر ہے جنہوں نے حضور سید کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبانی کلامِ ربانی کی تلاوت بطنِ نخلہ میں پہلی بار سنی۔ پھر آپ کے دستِ گرامی پر یہودیت سے توبہ کر کے اسلام قبول کیا۔ اور حضور انور سید الانس والجان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم سے اپنی قوم کی طرف دعوت دینے نکل گئے۔ اُن کی تعداد میں اختلاف ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ان کی تعداد سات تھی۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ وہ نو تھے۔ حضرت امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے یہ نام نقل فرمائے ہیں:
(۱) زوبعہ (۲) حسی (۳) مسی (۴) شاصر (۵) ماسر (۶) منشی (۷) ناشی (۸) احقب (۹) سرق (۱۰) وردان (۱۱) اور عمرو بن جابر رضی اللہ تعالیٰ عن المومنین۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض علمائے محققین کے نزدیک ان کی تعداد گیارہ تھی یا اس سے زیادہ۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ انسانوں کی طرح اجنہ بھی مکلف ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ. (آیت ۴ الحجرات) — بیشک وہ جو تمہیں اے محبوب حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں، اُن میں اکثر بے عقل ہیں۔"

حضور اکرم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دوپہر کے وقت حجرۂ مبارکہ میں آرام فرما رہے تھے کہ بنی تمیم کا وفد آیا اور حجرۂ مبارکہ کے باہر ہی سے آواز دینا شروع کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باہر تشریف لے آئے۔ لیکن بارگاہِ ذوالجلال میں محبوب کو اس طرح پکارنا پسند نہیں آیا۔ لہٰذا پکارنے والے کو ادب کی تلقین کی گئی اور بے حابا پکارنے کو نادانی و بے عقلی پر محمول کیا گیا۔ جن حضرات سے یہ نادانی ہوگئی ہے مفسرین کرام نے ان کے یہ اسماء بتائے۔ اقرع بن حابس، زبرقان بن بدر، عیینہ بن حصن و عمرو بن اہتم وغیرہم۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ (پ۲۸، المجادلہ) "اے محبوب! کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جو ایسوں کے دوست ہوئے جن پر اللہ کا غضب ہے۔"

یہ آیت پاک عبداللہ بن نفیل منافق کے حق میں نازل ہوئی جو حضورِ اقدس واطہر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیٹھ پیچھے بدگوئی کرتا تھا، اور بدگوئی کرنے والوں کو شاباشی دیتا تھا۔ اور سامنے آنے کے بعد بھیگی بلی بن جاتا اور اگر کبھی سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کچھ پوچھ لیا تو قسمیں کھاکر پار اتر جاتا اور وہ یہودیوں کی طرف سے جاسوسی بھی کرتا تھا مسلمانوں کے جنگی رازوں کو ان تک پہنچاتا تھا اور جب بھی مسلمان اس سے اس سلسلہ میں پوچھتے تو وہ برملا جھوٹی قسمیں اٹھالیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ان دونوں عیوب کو اسی آیت کریمہ میں بیان فرما دیا ہے۔

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ (پ۲۸، الممتحنہ) "اللہ تمہیں ان سے منع نہیں فرماتا جو تم سے دین میں نہ لڑے۔"

یہ آیت پاک یا تو بنی خزاعہ کے حق میں نازل ہوئی جس نے حضورِ سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے معاہدہ کیا تھا کہ ہم نہ تو آپ سے لڑیں گے، اور نہ آپ کے دشمنوں کی مدد کریں گے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اے مسلمانو! ان کے ساتھ احسان اور انصاف سے پیش آؤ۔" یا یہ آیہ مقدسہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ قتیلہ کے حق میں نازل ہوئی کہ وہ اسلام نہیں لائی تھی۔ مگر حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لیے تحفے تحائف لے کر مدینہ منورہ آئی تھی حضرت اسماء نہ تو ان کے تحائف کو قبول کرتیں اور نہ ہی اپنے گھر میں داخل ہونے کی اجازت دیتیں۔

جب یہ مسئلہ بارگاہِ رسالت میں پیش ہوا تو اللہ تعالیٰ نے جواباً اس آیۂ کریمہ کو نازل فرمایا جس میں انہیں اجازت دی گئی کہ ایسوں کے

تحفے اور ھدایا کو قبول کرو جو تم سے دین کی بنیاد پر لڑائی نہ کرتے ہوں اور نہ ہی لڑائی کرنے والوں کے مددگار ہوں۔ نیز ان کے ساتھ اچھا برتاؤ، احسان و انصاف کرو کیونکہ نہ تو انہوں نے تمہیں اپنے گھروں سے نکلنے اور ہجرت کرنے پر مجبور کیا اور نہ ہی تمہارے ساتھ قتال کیا اور نہ ہی قتال کرنے والوں کا ساتھ دیا۔

اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ (پ۲۸، الممتحنہ) "جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں کفرستان سے گھر چھوڑ کر آئیں تو ان کا امتحان کرو۔"

یعنی ایسی عورتوں کے حق میں کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے یہ اچھی طرح جانچ لینا چاہیئے کہ واقعی یہ عورتیں اللہ و رسول جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا اور دین و ایمان کی حفاظت کے لئے اپنے گھر کو چھوڑ کر آئی ہیں یا شوہر کی عداوت یا کسی دوست کی آشنائی و طلب میں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ایسی عورتوں کے صرف بیان پر اعتماد نہ کیا جائے بلکہ حلفیہ وہ اپنے گھر سے نکلنے کی وجہ بتائیں۔ پھر اگر وہ مہاجر ثابت ہو جائیں تو انہیں ان کے کافر شوہروں اور رشتہ داروں کے پاس مت بھیجو۔ کیونکہ اسلام و کفر میں رشتہ باقی نہیں رہتا ہے، اب ان کے شوہر ان کے لئے حلال نہیں رہے اور نہ وہ ان کافر شوہروں کے لئے حلال رہیں۔ تم اگر چاہو تو ایسی عورتوں سے نکاح کر سکتے ہو۔ کیونکہ وہ کافر شوہر پر حرام ہو چکیں اور ان کی زوجیت سے نکل چکی ہیں۔ اس آیت میں گھر بار چھوڑ آنے والی مسلمان عورتوں سے مراد ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط اور امیمہ بنت بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔

يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا (پ۲۸، المنافقون) "کہتے ہیں کہ ان پر خرچ نہ کرو۔" ۷،

يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَا (پ۲۸) "کہتے ہیں اگر ہم مدینہ لوٹ کر گئے۔" ۸،

اِن دونوں آیتوں میں "یَقُوْلُوْنَ" کا قائل وفاعل راسُ المنافقین عبداللہ بن اُبَی ہے جو نفاق ہی پر مرکر جہنم کا ایندھن ہوگیا۔ وہی اپنے ساتھیوں کے سامنے یہ بڑا بول بولا تھا کہ اگر ہم ان بھگوڑے اور ننگے مسلمانوں کو روٹی کا ٹکڑا نہ دیتے تو یہ شبنم چاٹ چاٹ کر مرجاتے مگر ہمارے ہی ٹکڑوں پر پل کر ہمارے سروں پر چڑھے جارہے ہیں۔ اب مسلمانوں پر ایک پیسہ بھی خرچ مت کرو۔ اگر ہم اس مہم (غزوۂ مریسیع) سے بخیریت مدینہ لوٹ گئے تو ایک ذلیل کو مدینہ سے نکال باہر کریں گے۔"

عبداللہ ابن ابی نے مسلمانوں کو ذلیل کہا تھا مگر وہ خود جیتے جی ذلیل ہوگیا اور اب تک ذلیل ہو رہا ہے اور قیامت کے بعد بھی ذلیل ہوتا رہے گا۔

وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ ‌ "اور اس دن تمہارے رب کا عرش اپنے اوپر آٹھ فرشتے اٹھائیں گے۔" (پ۲۹، الحاقہ)

روایتوں میں آیا ہے کہ آج چار معزز اور مقرب فرشتے عرشِ اعظم کو اٹھاتے ہوتے ہیں لیکن قیامت کے دن بجائے چار کے آٹھ فرشتے ہوں گے جو عرشِ مجید کو اٹھائیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا، "آٹھ سے مراد فرشتوں کی آٹھ صفیں ہیں جن کی تعداد اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانے۔ اُن فرشتوں میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔ حضرت اسرافیل حضرت لبنان، حضرت روفیل علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ‌ کھائی والے لعنت کئے گئے۔" (آیت۴، البروج)

مسلم شریف اور دوسرے کتبِ احادیث کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے زمانہ میں ایک ایسا بادشاہ تھا جو جادو کے زور پر حکومت کرتا اور اپنی خدائی کا دعویٰ کرتا تھا جب اُس کا رئیسُ السّاحرین

(جادوگروں کا سردار) بوڑھا ہوگیا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ کسی ذہین و چالاک بچہ کو میرے حوالہ کرو جسے میں جادو میں ماہر بنادوں۔ چنانچہ بادشاہ نے ایک ہونہار لڑکے کو اس کے سپرد کردیا۔ اور اس لڑکے نے روزانہ جادوگر کے پاس آنا جانا شروع کردیا۔ اثنائے راہ ایک راہب (دیندار) کا مسکن تھا وہ لڑکا آتے جاتے اُس راہب کے پاس بھی ٹھہرنے لگا، اور اس سے کچھ دین کی باتیں سیکھنے لگا۔ اتفاقاً ایک دن راستہ میں اس لڑکے کے سامنے ایک نہایت ڈراؤنا عجیب الخلقت جانور آگیا جس کو دیکھ کر وہ گھبرا گیا مگر فوراً ہی ایک چھوٹا سا پتھر کا ٹکڑا اُٹھا کر اس نے دعا کی: "اے میرے پروردگار! اگر وہ راہب دینِ حق پر ہے تو مجھے اِس جانور سے نجات دے، پھر وہی پتھر اس جانور کو مار دیا جس سے وہ ہلاک ہوگیا۔

اِس واقعہ کے بعد لڑکا زیادہ وقت راہب کی خدمت میں گذارنے لگا اور دین سیکھنے لگا۔ یہاں تک کہ وہ مستجابُ الدعوات ہوگیا۔ جس اندھے یا کوڑھی کے لئے دعا کردیتا وہ اچھا ہوجاتا۔ آہستہ آہستہ اس کا شہرہ ملک بھر میں ہوگیا۔ اندھے اور کوڑھیوں کا مجمع لگنے لگا، اور اس لڑکے کی دعا سے اللہ تعالیٰ جل شانہٗ اُن مریضوں کو شفاء دینے لگا۔ اسی زمانہ میں بادشاہ کا ایک مصاحب اندھا ہوگیا تو وہ بھی اس لڑکے کے پاس پہنچا، لڑکے نے دعا کی اور وہ بینا ہوگیا، پھر اسی لڑکے کے خدا پر ایمان لے آیا۔ جب دربارِ شاہی میں واپس آیا تو بادشاہ نے پوچھا: "تو کیسے بینا ہوگیا؟" تو اس نے جواب دیا کہ "خدائے برحق نے بینا کردیا۔" بادشاہ بولا، "کیا میرے سوا بھی کوئی خدا ہے؟" مصاحب نے کہا، "بیشک! جو ساری کائنات کا خدا ہے مریضوں کو شفاء دیتا ہے زندوں کو مارتا ہے اور مردوں کو زندہ کرے گا۔"

یہ جواب سُنکر بادشاہ بہت غصہ ہوا اور اس مصاحب پر ظلم وستم کرنے لگا

اور پوچھا: "بتا! تیرا عقیدہ کس نے بگاڑا؟" مجبور ہو کر اس نے لڑکے کا پتہ بتا دیا۔ پھر لڑکے نے اس راہب کا پتہ بتایا۔ اس طرح اس ظالم بادشاہ نے مصاحب اور راہب دونوں کو سولی پر چڑھا دیا اور سپاہیوں کو حکم دے دیا کہ اس لڑکے کو بلند و بالا پہاڑ سے گرا کر مار دو۔ جب سپاہی لوگ اسے لے کر پہاڑ پہ پہنچے تو اس لڑکے نے دعا کی۔ "الٰہا! ہم میں جو حق پر ہو اس کو بچا لے اور ناحق کو ہلاک کر دے۔" پہاڑ میں زلزلہ آیا، سارے سپاہی ہلاک ہو گئے۔ اور وہ لڑکا صحت و سلامتی کے ساتھ شاہی دربار میں پہنچ گیا۔۔۔

بادشاہ نے پوچھا سپاہی سب کہاں ہیں؟" تو لڑکے نے کہا "وہ سب ہلاک ہو گئے کیونکہ ناحق دین پر تھے۔" بادشاہ نے سپاہیوں کی دوسری جماعت کو حکم دیا کہ "اسے دریا میں ڈبو دو!" جب سپاہی کشتی پر لے کر بیچ دریا میں پہنچے تو لڑکے نے دعا کی "الٰہا! ہم میں جو ناحق ہو اسے غرق کر دے۔" دریا سے ایک موج اٹھی اور کشتی کو اپنے گرداب میں لے لیا اور لڑکا زندہ و سلامت شاہی دربار میں آ گیا۔ بادشاہ نے پوچھا "سپاہی لوگ کہاں ہیں؟" لڑکے نے کہا "وہ سب ہلاک ہو گئے کیونکہ وہ ناحق دین پر تھے۔" پھر بادشاہ نے اس لڑکے کو جلا ڈالنے کا حکم دیا۔ تو لڑکے نے کہا "اے بادشاہ! تو مجھے نہیں مار سکتا ہے۔ ہاں! اگر میرے بتائے ہوئے طریقے سے مارے گا تو میں مر سکتا ہوں!" پوچھا "وہ طریقہ کیا ہے۔۔۔۔۔؟" تو لڑکے نے کہا "پورے ملک کا مجمع اکٹھا کرو اور بلے کھجور کے سرے پر مجھے باندھ کر لٹکاؤ۔ پھر میرے رب کے نام سے مجھ پر تیر مارو تو میں مر جاؤں گا۔" بادشاہ نے پوچھا "تیرے رب کا نام کس طرح لوں؟" تو لڑکے نے کہا "بسم اللہ اللہ اکبر ہو رب الغلام"

چنانچہ بادشاہ نے اپنی رعایا کی بھیڑ جمع کی جو اس کی خدائی کے قائل

اور پرستار تھے۔ پھر اس لڑکے کو کھجور کے تنہ پر لٹکا کر "بسم اللہ" کہہ کر تیر چھوڑا جو اس لڑکے کی کنپٹی پر لگا، لڑکے نے اس تیر پر ہاتھ رکھا اور بآواز بلند کہا: "اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ۔" اور واصل بحق ہو گیا۔

یہ منظر دیکھ کر مجمع کا رنگ بدل گیا۔ بے خودی کے عالم میں لوگ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا کلمہ پڑھنے لگے۔ بادشاہ بھی حیرت و استعجاب سے اپنے پرستاروں کو دیکھنے لگا جب مجمع کی آواز کم ہوئی تو بادشاہ نے پوچھا "تم لوگوں نے کس کا کلمہ پڑھا؟" تو لوگوں نے کہا "اسی خدائے وحدہٗ لاشریک کا، جو شہید ہونے والے لڑکے کا رب ہے۔" بادشاہ نے کہا "کیا میں خدا اور رب نہیں؟ معاذاللہ تعالےٰ! لوگوں نے جواب دیا کہ ہرگز نہیں ۔۔۔ خدا بس وہی ہے جس کے دستِ قدرت میں موت و زندگی ہے۔" یہ سن کر بادشاہ آپے سے باہر ہو گیا اور اس نے ایک خندق کھودنے کا حکم دیا۔ جب خندق تیار ہو گئی تو اس کو دہکتی ہوئی آگ سے بھروا دیا، اور خود اپنے مصاحبوں کے ساتھ اس کے کنارے بیٹھ کر ایک ایک مسلمان و موحّد کو اس میں ڈالتا رہا اور اس کے مرنے تڑپنے کا تماشا دیکھتا رہا ۔۔۔ آیت پاک میں اسی بادشاہ اور اس کے مصاحبوں کا ذکر ہے جن پر اب تک لعنتوں کی بارش ہو رہی ہے۔ اسی بادشاہ کا نام ذونواس، یا، زرعہ بن اسد حمیری تھا۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ (پ۳۰ الفیل) "اے محبوب! کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں کا کیا حال کیا؟" ۔۔۔

ابرہہ کی عظیم حکومت ملکِ حبشہ اور ملکِ یمن پر پھیلی ہوئی تھی اس نے شہر صنعا میں ایک بہت بڑا دیدہ زیب عبادت خانہ بنوایا۔

اس کی خواہش تھی کہ لوگ مکی بیت اللہ شریف کی طرح یہاں بھی حاضری دیں اور اس گھر کا حج کریں۔ مگر اس کی خواہش پوری نہ ہو سکی۔ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ مکہ کے مشہور قبیلہ بنی کنانہ کے کچھ لوگ صنعاء میں تجارت کی غرض سے گئے اور جب اس عبادت خانہ کو دیکھا تو ان کی رگِ حمیت میں خون دوڑنے لگا، وہ دوسرے شہر میں کچھ کر تو نہیں سکتے تھے۔ البتہ چھپ چھپا کر اس عبادت خانہ میں پیشاب پاخانہ کر دیا۔ جس کی اطلاع پاکر وہاں کے بادشاہ ابرہہ نے خانہ کعبہ کو ڈھا دینے کی قسم کھالی اور ایک لشکرِ جرّار لے کر مکہ پر دھاوا بول دیا۔ منیٰ و عرفات کے درمیان مزدلفہ میں اس کے لشکر نے پڑاؤ ڈالا، اور اہلِ مکہ کے تمام مویشیوں کو ہنکا کر لے گئے۔ مکہ کے تمام قبیلے خوف و دہشت کے مارے پہاڑوں کی کھائیوں کی طرف بھاگنے لگے۔

لیکن حضرت عبدالمطلب اپنے اونٹوں کی بازیابی کے لئے ابرہہ کے لشکر میں تشریف لے گئے۔ ابرہہ انھیں دیکھتے ہی اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور پیش قدمی کر کے اُن کا استقبال کیا، پھر تختِ شاہی پر بیٹھایا اور آنے کی وجہ دریافت کی۔ حضرت عبدالمطلب نے فرمایا "تمہارے فوجی ہمارے دو سو اونٹ لے آئے ہیں میں انہیں واپس لینے آیا ہوں"۔ ابرہہ نے کہا "تعجب ہے میرا لشکر خانۂ کعبہ کو ڈھانے کے لئے آیا ہے، آپ اس کے متعلق کچھ نہیں کہتے اور اپنے اونٹوں کے طالب ہیں...!" حضرت عبدالمطلب نے فرمایا "میں اپنے اونٹوں کا مالک ہوں لہٰذا اسکے لئے آیا ہوں، خانۂ کعبہ کا جو مالک ہے وہ خود اپنے گھر کی حفاظت فرمائے گا"۔ ابرہہ نے حضرت عبدالمطلب کے تمام اُونٹ واپس کر دیئے۔ آپ اونٹوں کو لیکر شہر میں آئے: خانہ کعبہ کے دروازہ پر گئے اور دعا کی "اے ربِ کعبہ

تو ہی اپنے گھر کی حفاظت فرما! ہمارے اندر ابرہہ کے لشکرِ جرّار کے مقابلہ کی تاب نہیں ہے"۔ پھر خدائے پاک نے اپنے گھر کی حفاظت کا یہ سامان فرمایا کہ سمندر کی طرف سے جھنڈ کی جھنڈ چڑیا آئیں جن کے دونوں پنجوں اور چونچ میں پتھر کا چھوٹا چھوٹا ٹکڑا تھا۔ پھر ان چڑیوں نے ابرہہ کے لشکر پر اسے برسانا شروع کر دیا۔ جس کنکر پر جس مقتول کا نام لکھا ہوتا وہ اسی کے سر پر گرتا پھر جسم میں تیرتا ہوا سواری کے جسم میں پیوست ہو کر زمین پر آجاتا اور وہ فوجی وہیں بھوسہ بن جاتا۔ ابرہہ کے لشکر میں ہاتھیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اس لئے اسے "اصحابُ الفیل" کہا جاتا ہے۔ خود ابرہہ جس ہاتھی پر سوار تھا وہ دیو ہیکل عظیم الجثہ تھا، جس کا نام محمود تھا جب اسے مکہ کی طرف بڑھنے کا اشارہ کیا جاتا تو وہ بیٹھ جاتا۔ اور جب دوسری جانب ہنکایا جاتا تو چلنے لگتا۔ اس طرح وہ اپنے سواریوں کے ہاتھوں بھی ناکام ہو گیا اور اوپر سے پتھروں کی بارش ہوئی جس سے وہ ہزیمت خوردہ ہو کر لوٹنے پر مجبور ہو گیا۔ ایک کنکر اس کے سر پر بھی گرا جس سے بالآخر وہ مصائب میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو گیا۔

اس واقعہ کے پچاس دنوں کے بعد حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مبارک پیدائش ہوئی۔ شاہ حبشہ و یمن کا نام ابرہہ اشرم تھا اور اس کے سپہ سالار کا نام رغال تھا۔ اس آیتِ پاک میں انہیں لوگوں کا ذکر ہے۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ (آیۃ الکافرون) (اے محبوب!) تم فرماؤ "اے کافرو!"

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مخاطب یہاں وہ کفار و مشرکین ہیں جو علمِ الٰہی میں ایمان سے محروم ہیں اور محروم ہی رہیں گے۔ کفارِ مکہ کے سرداروں نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہا کہ ہمارے اور آپ کے درمیان اسی بات پر صلح ہو جائے کہ ایک سال آپ

ہمارے معبودوں کی عبادت کیجیے (معاذاللہ تعالیٰ) اور ایک سال ہم لوگ آپ کے معبودوں کی عبادت کریں۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اللہ تعالیٰ کی پناہ! کہ میں اس کے ساتھ کسی کو شریک کروں......" سردارِ مکہ نے کہا تو ایسا کیجیے کہ ہمارے بتوں کو ہاتھ لگا دیجیے ہم لوگ آپ کے معبود کی عبادت کریں گے۔" اس پر یہ سورۂ کریمہ نازل ہوئی پھر سید عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کافروں کو مخاطب فرما کر اعلان فرمایا کہ ہمارے تمہارے درمیان صلح ہو ہی نہیں سکتی۔ کیونکہ جسے تم لوگ پوجتے ہو میں اسکی عبادت کے تعلق سے سوچ بھی نہیں سکتا اور ہم لوگ جس خدائے بزرگ و برتر کی عبادت کرتے ہیں تم اس کے قریب آ ہی نہیں سکتے تو صلح کی کیا بات چیت ہوسکتی ہے؟" یوں تو یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ کے مخاطب تمام کفار ہیں لیکن خصوصیت کے ساتھ ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، اسود بن مطلب اور اُمیّہ بن خلف مخاطبِ اوّل ہیں۔

وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ (اللہ کی پناہ چاہتا ہوں) ان عورتوں کے
(آیۃ الفلق، شر سے جو گرہوں میں پھونکتی ہیں)

مدینہ کے ایک حاسد و کم ظرف یہودی نے اپنی بیٹیوں کی مدد سے حضور پُرنور سید عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر مہلک جادو کا عمل کیا جس کا اثر حضور سید الانبیاء علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے ظاہری جسمِ اطہر پر ہونے لگا۔ چند دنوں کے بعد حضرت جبرئیل بحکم ربّ العالمین خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا "یارسول اللہ! آپ پر لبید کی بیٹیوں نے جادو کیا ہے اور اس کا سامان فلاں کنویں کی تہ میں چھپا دیا ہے۔" سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیج کر کنویں کے اندر سے سامان منگوایا تو ملاحظہ فرمایا کہ کھجور کی نازک پتیوں کی تھیلی میں چند موئے مبارک

ہیں بشانۂ مبارکہ کے کچھ دندانے ہیں اور ایک تانت کی ڈوری ہے جس پر گیارہ گرہیں لگی ہوئی ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سورۂ فلق اور سورۂ ناس کی تلاوت فرمائی جب ایک آیت کی تلاوت فرما لیتے تو ایک گرہ کھل جاتی، جب دوسری آیت کی تلاوت فرماتے تو دوسری گرہ کھل جاتی۔ اسی طرح دونوں سورتوں کی تلاوت ختم ہوئی تو گیارہ کی گیارہ گرہیں کھل گئیں۔ واضح ہو کہ سورۂ فلق میں پانچ اور سورۂ ناس میں چھ آیتیں ہیں ــــ خصوصیت سے آیتِ مذکورہ میں گرہوں پر پھونکنے والیوں سے مراد لبید بن اعصم یہودی کی بیٹیاں ہیں۔ ویسے وہ تمام عورتیں اس میں شامل ہیں جو جادو کا عمل گرہوں کے ذریعہ کرتی ہیں فاللہ تعالیٰ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ وَاَسْرَارِ كِتَابِهٖ۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى مُعَلِّمِ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ

نوٹ:۔ آیاتِ مبہمات کی کچھ ایسی آیتیں جمع کرنے کی میں نے بعونہٖ تعالیٰ و بکرمِ حبیبہ الاعلیٰ سعی کی۔ جن میں انسان، فرشتے اور جنات مبہم ہیں، اور وہ آیات اور مثالیں بھی کثیر در کثیر ہیں جن میں اقوام، حیوانات، زمان و مکان وغیرہم کو مبہم رکھا گیا ہے۔ اگر قرآن فہمی کا سچا ذوق و طلب ہو تو ان تمام مبہمات و مشارٌ الیہ کی وضاحت بآسانی ہو جائے گی وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔

قرآن مجید میں کچھ اسماء کا ذکر

قرآنی علوم کے چند اور گوشوں کی وضاحت کر دینا اس لئے مفید بلکہ ضروری ہے کہ قرآن پاک کو سمجھ کر پڑھنے والے باذوق طلباء کے ذہن میں کشادگی اور فکر میں بالیدگی پیدا ہوگی اور تلاوت کے وقت دلچسپی و انہماک میں اضافہ ہوگا۔

فصل اوّل

یوں تو انسانی ہدایت و رہنمائی کے لئے خداوند کریم کے بے شمار مخصوص بندے انسانی سرزمین پر تشریف لائے جن میں کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام تھے مگر ان برگزیدہ ہستیوں میں سے قرآن عظیم میں صرف پچیس مشاہیر انبیاء علیہم السلام کے نام ہیں، اور وہ اجمالی وضاحت کے ساتھ یہ ہیں۔

۱۔ حضرت آدم علیہ السلام

آپ کی کنیت ابوالبشر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما کی روایت ہے کہ آپ کا نام "آدم" اس مناسبت سے ہے کہ گندمی رنگ کی زمین سے وہ مٹی لی گئی جس سے آپ کے قالب کی خمیر بنی۔ پھر عبرانی زبان میں مٹی کو آدم کہتے ہیں اس مناسبت سے بھی آپ کا نام آدم رکھ دیا گیا۔ امام نووی کے نزدیک ہزار سال تک روئے زمین پر حضرت آدم کا زندہ رہنا مشہور ہے۔ لیکن ابن ابی خیثمہ کی تحقیق یہ ہے کہ آپ نوسو ساٹھ (۹۶۰) سال تک زندہ رہے۔

۲۔ حضرت نوح علیہ السلام

حاکم نے مستدرک میں بیان کیا کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام بکثرت روتے تھے۔ اور کثرت گریۂ

بکاء کی وجہ سے آپ کا نام "نوح" مشہور ہوگیا کیونکہ نوح کا لغوی معنی ہے "واویلا کرنے والے"۔ ورنہ حضرت کا اصل نام "عبدالغفار" ہے۔ حضرت ابوذر غفاری سے روایت ہے کہ "میں نے رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی خدمتِ بابرکت میں عرض کیا کہ "سب سے پہلے نبی کون ہیں؟" تو سید الکونین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا "آدم"۔ پھر میں نے عرض کیا "ان کے بعد کون؟" تو ارشاد فرمایا "نوح علیہ السلام"۔ پھر یہ بھی فرمایا کہ آدم و نوح علیہما السلام کے درمیان بیس (۲۰) قرن ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ حضرت نوح اور حضرت آدم علیہما السلام کے مابین دس قرن کا فاصلہ ہے۔ اور ایک قرن ایک صدی کو کہتے ہیں۔ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چالیس سال کی عمر میں رسالت کے ساتھ مبعوث فرمایا گیا۔ پھر نوسو پچاس سال تک اپنی قوم کو خدا کی طرف بلاتے رہے۔ پھر عالمی طوفان کے بعد ساٹھ (۶۰) سال زندہ رہے۔ علامہ نووی نے تہذیب میں فرمایا کہ "نبیوں میں باعتبار عمر کے حضرت نوح علیہ السلام سب سے طویل عمر پانے والے ہیں۔"

۳۔ حضرت ادریس علیہ السلام

یہ نام سریانی زبان کا اسم ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ عربی زبان کا لفظ ہے جو "دِراسۃ" سے مشتق ہے اور حضرت ادریس علیہ السلام چونکہ کتبِ آسمانی کا درس کثرت سے دیتے تھے اس لئے آپ کا علم ہی ادریس ہوگیا۔ حضرت ادریس علیہ السلام وہ پہلے نبی و رسول ہیں جنہوں نے قلم کے ذریعہ کتابت ایجاد فرمائی۔ اہلِ زمین جب احکام الٰہی کو پامال کرنے لگے اور آپس میں ظلم و تعدی پر کمربستہ ہوگئے اور قتل و غارت گری عام ہونے لگی تو اللہ تعالےٰ نے آپ کو چھٹے آسمان پر اٹھا لیا (وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا) جس وقت حضرت ادریس علیہ السلام آسمان پر اٹھائے گئے اس وقت ان کی عمر شریف تین سو پچاس (۳۵۰) تھی۔

سال تھی۔

۴۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ ایک قدیم اسم ہے جو عربی نہیں ہے ویسے اہل عرب کے نزدیک اس نام کو کئی طرح سے پڑھا جانا درست ہے یعنی اِبْرَاہِیْم، اِبْرَاہَام، اِبْرَاہَم جس میں سب سے مشہور اول ہے۔ یہ سُریانی زبان میں بکثرت استعمال ہوتا ہے جس کا معنیٰ عربی میں "اَبٌ رَحِیْمٌ = مہربان باپ" کہا گیا ہے ـــــ مشہور کتاب "العجائب الکرمانی" میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تارخ کے فرزندِ جلیل تھے، اور وہ ناحور کے، اس طرح حضرت نوح علیہ السلام آپ کی دسویں پشت کے دادا ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حکم الٰہی کے مطابق ایک سو بیس سال کی عمر میں اپنا ختنہ آپ فرمایا جو آپ کی اولاد پر آپ کی سنّت ٹھہری۔ آپ کی عمر شریف ایک سو پچہتر ۱۷۵ یا دو سو سال کی ہوئی، اور یہ آخری روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی ہے۔

۵۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ آپ نے اپنے والد گرامی کے ساتھ مل کر بیت اللہ شریف کی تعمیر فرمائی اور اپنی پوری زندگی اسی کے سایہ میں وقف فرمادی۔

۶۔ حضرت اسحاق علیہ السلام عبرانی زبان میں اِسحاق کا معنیٰ ہے۔ "بہت ہنسنے والا" آپ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادے ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت کے چودہ سال بعد پیدا ہوئے۔ اس وقت آپ کی والدہ ماجدہ حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر شریف نوّے سال سے کچھ زائد تھی۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام

کی عمر شریف ایک سو بیس سال سے زائد تھی۔ آپ کی نسل پاک سے سینکڑوں انبیاء و مرسلین علیہم الصّلوٰۃ والتسلیم پیدا ہوئے۔ بقول مشہور ایک سو اسی ۱۸۰ برس زندہ رہے علیہ الصلوٰۃ والسّلام۔

۷۔ حضرت یعقوب علیہ السلام آپ حضرت اسحاق علیہ السلام کے نورِ نظر ہیں۔ آپ کی پیدائش کے وقت آپ کی جدّہ محترمہ حضرت سارہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا بقیدِ حیات تھیں آپ کثیر الاولاد تھے ہر بیٹے سے ایک ایک قبیلہ پھیلا۔ ایک سو پینتالیس ۱۴۵ سال دنیا میں رہے۔

۸۔ حضرت یوسف علیہ السلام یوسف کا سین حرکاتِ ثلاثہ کے ساتھ باعتبار لغت صحیح و درست ہے (یُوْسُفُ) اور یہ عجمی لفظ ہے جس کا کوئی اشتقاق نہیں حضرت یوسف جب بارہ سال کے تھے تو چاہِ کنعان میں ڈالے گئے اور اسّی سال کے بعد جب حضرت یوسف کی عمر شریف بانوے ۹۲ سال کی ہوئی تو اپنے والد گرامی حضرت یعقوب علیہ السلام سے ملے۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ حضرت یوسف کو حُسن کا آدھا حصہ ملا تھا، آپ خدا کے برگزیدہ نبی و رسول تھے۔ اور یہ شرف صرف آپ ہی کو حاصل ہے کہ مسلسل عن اب و جدٍ نبی و رسول ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعًا روایت ہے کہ کریم ابن الکریم ابن الکریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام ہیں۔

۹۔ حضرت لوط علیہ السلام مستدرک میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت لوط، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تبلیغ و ہدایت کے لئے فلسطین کی سرزمین کو مسکن و مستقر بنایا۔ اور حضرت لوط علیہ السلام نے

اردن کو۔ اردن کا ایک نہایت سرسبز و شاداب علاقہ سدوم تھا جس کی آبادی چار لاکھ سے زائد تھی۔ حضرت لوط علیہ السّلام اہل سدوم کی طرف مبعوث فرمائے گئے تاکہ وہاں والوں کو دینِ حق کی دعوت دیں اور غیر فطری بدفعلی سے روکیں۔

۱۰ حضرت ہود علیہ السلام

حضرت کعب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نہایت مشابہ تھے۔ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ وہ بڑے مستقل مزاج اور صبر و رضا کے پیکر تھے۔ قرآن عظیم کی سورۂ ہود میں ان کے استقلال و صبر کو بیان فرمایا گیا ہے۔

۱۱ حضرت صالح علیہ السلام

آپ بچپن ہی سے سنجیدگی و شرافت، دانائی و ذہانت میں مشہور تھے۔ قوم ثمود جس کا مسکن حجاز و شام کا درمیانی علاقہ تھا وہ قوم عاد ہی کی ایک شاخ تھی جو حضرت ہود علیہ السّلام پر ایمان لانے کی وجہ سے عذابِ الٰہی سے بچ گئی تھی۔ فنِ تعمیر میں اُس قوم کو خصوصی مہارت حاصل تھی، پہاڑوں کو تراش خراش کر ایسے محلّات تیار کر دیتی جنہیں دیدۂ بینا حیرت سے دیکھتی رہ جاتی۔ حضرت صالح علیہ السلام کو اسی قوم کی ہدایت و رہنمائی کے لئے بھیجا گیا۔ ابتداءً قوم ثمود نے آپ کو ہاتھوں ہاتھ لیا کہ آپ کا دامنِ حیات نہایت پاکیزہ اور صاف ستھرا تھا جسے لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ پھر جب خداوند قدوس نے حضرت صالح علیہ السلام کو نوجوانی کی عمر میں نبوت سے سرفراز فرمایا، اور تبلیغ دین کی ذمہ داری سونپی اس وقت بھی قوم ثمود اس اُمید پر آپ کے ساتھ تھی کہ آپ کی حکیمانہ قیادت میں خوب خوب ترقی کرنے کا موقع ملیگا لیکن جب آپ کی عمر شریف چالیس سے تجاوز کر گئی تو آپ نے اپنی

قوم کو خدا کی طرف بلانا شروع کیا، کفر و شرک اور بتوں کی پوجا سے روکا، تو آپ کی قوم حیرت زدہ ہو کر سوال کرنے لگی "اے صالح! جس کی پوجا ہمارے باپ دادا کرتے چلے آرہے ہیں کیا یکلخت ہم اس کی پوجا سے باز آجائیں ہمیں تو تمہاری دعوت پر یقین ہی نہیں آرہا ہے" حضرت صالح نے فرمایا "اے میری قوم! پروردگار عالم کی وحدانیت و کبریائی کا آفتابِ صداقت میری چشم بصیرت کے سامنے جلوہ بار ہے میں ان تابندہ حقائق کا کیسے انکار کر سکتا ہوں میں تو وہی کہوں گا جو دیکھتا ہوں" اب قوم ثمود آپ کے درپئے آزار ہوئی، آپ کی معجزاتی اونٹنی کے ساتھ بے ادبی سے پیش آئی اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مع اپنے ساتھیوں کے علاقۂ ثمود سے ہجرت کر جانے کا حکم دیا چنانچہ بیس سالہ رفاقت کو خیرآباد فرما کر مکّہ مکرّمہ چلے گئے اور وہیں انٹھاون سال کی عمر میں وفات پائی علیہ السلام۔

۱۲ حضرت شعیب علیہ السلام

حضرت امام نووی کی تحقیق کے مطابق آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔

حضرت شعیب بن میکائیل بن یشجن بن مدین بن ابراہیم خلیل اللہ۔

اور ابن اسحاق نے آپ کا سلسلۂ نسب یوں بیان کیا۔ حضرت شعیب ابن میکائیل ابن یشجن بن لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ حضرت شعیب علیہ السلام نہایت پرہیزگار شب زندہ دار تھے۔ علمائے محققین کے نزدیک "خطیب الانبیاء" کہلاتے ہیں۔ اخیر عمر شریف میں آنکھوں کی بینائی جاتی رہی اور آپ نے گوشہ نشینی اختیار فرمالی۔ آپ کی اولاد نرینہ نہیں تھی، مگر دونوں بیٹیوں نے بیٹوں سے بڑھکر خدمت کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام آپ کے داماد و جانشین تھے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو دو یا تین قوموں کی طرف مبعوث فرمایا اور

آپ نے تبلیغ کے فرائض انجام دیتے ہوئے اپنی قوموں کو ناپ تول میں کمی کرنے کی خصوصی نصیحت فرمائی مگر قوم مدین، اصحاب الایکہ اور اصحاب الرس نے آپ کی نصیحتوں کو نہیں مانا جس کے پاداش میں یہ تینوں قومیں عذاب الٰہی میں گرفتار ہوگئیں۔ قوم مدین کو ڈراؤنی چنگھاڑ نے موت کے گھاٹ سلا دیا۔ اور اصحاب الایکہ کو پہاڑوں سے کچل کر نیست و نابود کر دیا گیا اور اصحاب الرس کو عذاب الٰہی نے دبوچ لیا۔

۱۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام

حضرت کے سلسلہ نسب میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور وہ یوں ہے۔

حضرت موسیٰ بن عمران بن یصہر بن فاہث بن لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ علیہم الصلوٰۃ والسلام "موسیٰ" سریانی زبان کا نام ہے۔ قبطی زبان میں بھی پانی کو "مو" اور درخت کو "سا" کہتے ہیں۔ اور چونکہ آپ کی زندگانی کا گہرا تعلق ان دونوں سے رہا ہے اس لئے آپ کا نام ہی موسیٰ ہوگیا۔ حدیث پاک میں ان کی صفت یوں بیان فرمائی گئی کہ وہ گندمی رنگ کے دراز قامت گھنگھریالے بالوں والے تھے۔ ان کی عمر شریف ایک سو بیس سال کی ہوئی۔

۱۴۔ حضرت ہارون علیہ السلام

عبرانی زبان میں "ھارون" کے معنیٰ "ہر دل عزیز" کے ہیں۔ چنانچہ آپ میں آپ کے نام کا پورا پورا اثر تھا کہ قوم میں ہر دل عزیز اور محبوب تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ دراز قامت اور خوش بیان و شیریں زبان تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سفارش پر اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت موسیٰ کا وزیر اور شریک کار بنایا۔ آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک سال بڑے اور حقیقی بھائی تھے۔ اور ایک قول کے مطابق صرف ماں جائے بھائی تھے۔

قصہ معراج سے متعلق بعض احادیث کریمہ میں آیا ہے کہ جب سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پانچویں آسمان پر تشریف لے گئے تو دیکھا کہ وہاں حضرت ہارون موجود ہیں جن کی داڑھی آدھی سیاہ آدھی سفید ہے اور اتنی لمبی ہے کہ پورے سینے کو عبور کر کے شکم پر پہنچی ہوئی ہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا: "یہ ہارون بن عمران ہیں جو اپنی قوم کے ہر دلعزیز نبی ہیں"۔

۱۵۔ حضرت داؤد علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام تک آپکا سلسلہ نسب یوں ہے۔ حضرت داؤد بن ایشا بن عوید بن باعر بن سلمون بن نحشون بن عمی بن یارب بن رام بن حضرون بن فارص بن یہودا بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا چہرۂ مبارک سرخ تھا، سر کے بال سیدھے اور ریشم کی طرح تھے، جسم مبارک کا رنگ گورا، اور داڑھی طویل تھی جسمیں قدرے پیچ و خم تھا۔ خوش خلق اور خوش آواز تھے جن کی خوش آوازی وحوش وطیور اور سنگ و شجر کو بھی متاثر کرتی تھی۔ ترمذی شریف کی روایت ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام بڑے عبادت گذار تھے ان کو تمام انسانوں سے بڑھکر عابد کہنا چاہیئے۔ خداوند قدوس نے انہیں عظمت نبوت کے ساتھ ساتھ دنیاوی سلطنت بھی عطا فرمادی تھی۔ چالیس سال تک انکی حکمرانی کا زمانہ رہا جس زمانہ میں زرہ سازی کے ذریعہ اکل حلال حاصل فرماتے رہے۔ سو سال کے بعد آپ نے پردہ فرمایا۔

۱۶۔ حضرت سلیمان علیہ السلام

آپ حضرت داؤد علیہ السلام کے فرزند ارجمند ہیں، نہایت کمسنی میں علم و دانش کا بھرپور حصہ آپ کو مل گیا تھا۔ حضرت داؤد آپ کی نوعمری کے باوجود امور سلطنت میں آپ سے مشورہ طلب فرماتے تھے۔ آپ کے مزاج میں

عجز وانکساری کی صفتِ محمود کمال درجہ تک پہنچی ہوئی تھی۔ تیرہ سال کی عمر شریف میں تختِ سلطنت پر جلوہ فرما ہوئے اور چار سال کے بعد بیت المقدس کی تعمیر کا آغاز فرمایا اور مسلسل چھتیس ۳۶ سال تک اس کا تعمیری کام چلتا رہا۔

حضرت کعب نے بیان فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ الصّلٰوۃ والسلام کے جسم مبارک کا رنگ سرخ وسفید تھا، پیشانی نہایت کشادہ اور روشن تھی خوش قامت وخوش اندام شخصیت کے مالک تھے۔ نبوّت وسلطنت دونوں کے فرائض پوری ذمّہ داری کے ساتھ انجام دیتے تھے۔ چالیس سال تک بر سرِ حکومت رہے اور ترپن ۵۳ سال کی عمر شریف میں رحلت فرماگئے حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ پوری دنیا کی سلطنت دو مومنوں کو ملی ۱ حضرت سلیمان اور ۲ ذوالقرنین کو۔

۱۷ حضرت ایوب علیہ السّلام

حضرت ایّوب علیہ السّلام ابن ابیض قوم بنی اسرائیل سے تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹی تھیں۔ آپ کے سلسلہ نسب میں اختلاف ہے۔ ویسے آپ کا نسب عیص بن اسحاق علیہ السّلام کے ذریعہ حضرت ابراہیم خلیلُ اللہ علیہ السلام تک پہنچتا ہے

حضرت ایوب علیہ السلام کا زمانہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد ہے جس وقت وہ مرض کی آزمائش میں ڈالے گئے اس وقت ان کی عمر شریف ستّر سال تھی، مدّتِ مرض باختلاف روایت تین ۳ یا سات ۷ یا تیرہ ۱۳ سال تھی۔ طبرانی کی روایت ہے کہ حضرت ایوب کی عمر ترانوے ۹۳ سال ہے

۱۸ حضرت ذوالکفل علیہ السّلام

آپ کے نام اور نبوت میں محققین کا اختلاف ہے۔ راجح قول یہ ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے بیٹے حضرت بشر بن

ایوب کو نبوت سے سرفراز فرمایا جنہوں نے اپنی ذمّہ داریوں کو پوری طرح نباہا۔ اسی لئے ان کا نام ذوالکفل ہوگیا۔ آپ پوری عمر خداوند قدوس کی وحدانیت کی تبلیغ فرماتے رہے اور ملک شام میں مقیم رہے پچھتر سال کی عمر پائی۔

۱۹ حضرت یونس علیہ السّلام

یونس حرکات ثلاثہ کے ساتھ صحیح ہے (یُوْنُس) مگر ضمّہ نون کے ساتھ مشہور وفصیح ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما کی روایت کے مطابق آپ یونس بن متّیٰ ہیں، آگے کے سلسلۂ نسب میں شدید اختلافات ہیں۔ آپ ایران کی طوائف الملوکی کے زمانہ میں نبوت کے ساتھ مبعوث ہوتے۔ اپنی قوم کو راہِ ہدایت کی طرف بلاتے رہے۔ مگر قوم کی چالبازیوں سے پریشان ہوکر آبادی سے نکلے اور دریائے دجلہ کی طرف چلے گئے۔ جہاں مچھلی نے آپ کو اپنے شکم میں لے لیا تین یا سات یا چالیس دنوں کے بعد شام کے وقت دریائے دجلہ ہی کے کنارے شکم سے باہر کیا۔ موصل میں دریائے دجلہ ہی کے کنارے قدرے بلندی پر آپ کا مزار مبارک مرجعِ خلائق ہے جس حلقہ کو صدّامی دور میں جنت نشان بنادیا گیا ہے

۲۰ حضرت الیاس علیہ السّلام

اِلیاس کا ہمزہ قطعی ہے اور یہ عبرانی نام ہے کبھی کبھی اس اسم کے آخر میں یا اور نون کی زیادتی بھی کردی جاتی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ ربّانی ہے "سَلَامٌ عَلٰی اِلْیَاسِیْنَ"، تو الیاس اور الیاسین دو اسم نہیں ہیں بلکہ ایک ہی ہے۔ آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔ حضرت الیاس بن یاسین بن فنحاص بن العیزار بن ھارون علیہ السلام بن عمران۔ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام سے آپ کا بہت گہرا تعلق اور دیرینہ مراسم تھے۔ کیونکہ حضرت یوشع

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تربیت یافتہ اور جانشین تھے۔
حضرت الیاس علیہ السلام کو ویسے ہی عمر جاودانی عطا فرمائی گئی ہے جیسی کہ حضرت خضر علیٰ نبینا وعلیہ السلام کو۔ وہ آخیر زمانہ یعنی قربِ قیامت تک لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ دنیوی حیات کے ساتھ رہیں گے پھر ایک آن کے لئے "کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ" کا مزہ نوش جاں فرمانا ہے

۲۱ حضرت اَلیَسع علیہ السلام

آپ اخطوب بن العجوز کے فرزند ہیں یہ عجمی نام ہے جو اَلْیَسَعَ اور اَللَّیْسَعْ دونوں صحیح ہے آپ کی امت اور شریعت زیادہ دنوں تک نہیں رہی۔ اسی لئے ان کا تفصیلی ذکر بھی نہیں ملتا ہے۔

۲۲ حضرت زکریا علیہ السلام

یہ اسم عجمی ہے اور اس کو کئی طرح سے پڑھنا درست ہے یا بالتشدید و بالتخفیف دونوں صحیح ہے۔ آپ حضرت سیدنا سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی اولاد سے ہیں۔ نوّے سال کی عمر تک کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ پھر محرابِ مریم میں دعا کرنے کی برکت سے ایک مبارک بیٹے کی بشارت دی گئی اس وقت آپ کی عمر شریف باختلافِ روایت ۹۲ یا ننانوے ۹۹ یا ایک سو بیس ۱۲۰ سال کی تھی۔ اس مبارک بیٹے کا نام یحییٰ رکھا گیا۔ پھر آنکھوں کے سامنے بیٹا شہید بھی کر دیا گیا اور بیٹے کی شہادت کے بعد آپ بھی شہید کر دیئے گئے۔

۲۳ حضرت یحییٰ علیہ السلام

آپ حضرت زکریا علیہ السلام کے نورِ نظر ہیں۔ دنیا میں آپ پہلے شخص ہیں جنکا نام یحییٰ رکھا گیا۔ آپ بچپن ہی میں مرتبۂ نبوت پر فائز ہو چکے تھے خشیتِ الٰہی کا ہر وقت غلبہ رہتا تھا، جب خوفِ خدا سے روتے تو کئی کئی دنوں

تک روتے ہی رہتے تھے۔ نوعمری ہی میں یروشلم کے اندر شہید کر دیئے گئے، آپ کے بعض اعضائے جسم استنبول میوزیم میں محفوظ تھے جو صدیاں بیت جانے کے بعد بھی تر و تازہ تھے۔ پھر اُن کے قاتلوں پر اللہ تعالیٰ نے بُخت نصر اور اس کی فوجیوں کو مسلّط کیا جنہوں نے قتل میں ملوث ہر فرد کو کیفرِ کردار تک پہنچایا۔ آپ یحییٰ کے نام سے اس لئے موسوم ہوئے کہ خداوند قدوس نے آپ کو حیاتِ ایمانی عطا فرمائی تھی یا آپ نے اپنی ضعیفہ ماں کے رحم کو زندہ فرمایا تھا کہ وہ شروع ہی سے بانجھ تھیں۔ مگر آپ کے ساتھ حاملہ ہونے سے رحم مادر کو حیاتِ تولید مل گئی۔ یا اسلئے یحییٰ نام رکھا گیا کہ آپ کو شہید ہونا تھا اور شہید زندہ ہوا کرتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

۲۴ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام

حضرت مریم بنتِ عمران کے بطنِ مبارک سے بغیر باپ کے پیدا ہوئے جیسے حضرت حوا، حضرت آدم کے پہلو سے بغیر باپ کے پیدا ہوئیں۔ حضرت آدم علیہ السلام بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے۔ پیدائش کے اعتبار سے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی مثال حضرت آدم سے دی ہے۔ آپ شکمِ مادر میں باختلافِ روایت ایک ساعت یا تین ساعتیں یا چھ ماہ یا نو ماہ رہے۔ جس وقت آپ کی ولادت باکرامت ہوئی اس وقت آپ کی والدہ ماجدہ کی عمر شریف دس سال یا پندرہ سال کی تھی۔
حدیث صحیح میں آپ کا حلیۂ مبارکہ یوں فرمایا گیا ہے۔
جسم شریف کا رنگ سرخ و سفید ہے۔ متوسط القامتہ، گداز بدن، اور خوب رو ہیں۔ اُن کی شباہت سے یہ معلوم ہوتا ہے گویا ابھی حمام سے برآمد ہوتے ہیں۔ عیسیٰ عبرانی یا سریانی اِسم ہے۔ آپ

آسمان پر اٹھالئے گئے ہیں اور اٹھائے جانے کے وقت آپ کی عمر شریف تینتیس ۳۳ سال تھی۔ حدیثوں میں آیا ہے کہ وہ آسمان سے اتریں گے دجال کو قتل کریں گے۔ شادی اور حج فرمائیں گے۔ پھر صاحبِ اولاد ہوں گے۔ سات ۷ سال تک زمین پر ٹھہریں گے۔ مذہبِ اسلام کا سکہ دنیا کے کونے کونے میں بٹھادیں گے۔ ہر اہلِ کتاب یا تو آپ پر ایمان لائیں گے یا آپ کے ہاتھوں مارے جائیں گے۔ آپ سے مذہبِ حنفی کو تقویت ملے گی، ہر طرف دینِ حنیف اور مذہبِ حنفی کا دور دورہ ہوگا۔ چالیس ۴۰ سال کی عمر میں وفات پائیں گے اور حجرۂ عائشہ صدیقہ میں مدفون ہوں گے۔

۲۵ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

آپ کا ذاتی نام محمدؐ اور احمدؐ ہے صلوٰتُ اللہِ تعالیٰ وسلامُہٗ علیہ اور صفاتی نام سینکڑوں بلکہ ہزاروں ہیں۔ یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ پانچ نبیوں کا نام اُن کے وجودِ آدمیت میں آنے سے قبل ہی رکھا گیا ہے۔

۱۔ سیدالانبیاء والمرسلین علیہ وعلیہم السّلام ارشادِ باری ہے
وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ

۲۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام، ارشادِ ربانی ہے "اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ِۨاسْمُهٗ يَحْيٰى"

۳۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، ارشادِ رحمانی ہے "مُصَدِّقًاۢ بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ"
(حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک نام مصدّق اور ایک نام کلمۃُ اللہ ہے۔)

۴۔ حضرت اسحاق علیہ السلام } ارشادِ قرآنی ہے "فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ
۵۔ حضرت یعقوب علیہ السلام } وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ"

راغب اصفہانی نے کہا کہ: نبی آخرالزماں صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی

تشریف آوری کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے اسمِ احمدؐ سے اس لئے دی کہ: اب جو میرے بعد نبی مکرّم آنے والا ہے وہ میرے اور میرے قبل تمام انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں احمدؐ ہوگا۔ یعنی خدائے ذوالجلال کی زیادہ حمد کرنے والا۔

فصلِ ثانی

قرآنِ پاک میں بعض فرشتوں کے نام بھی آتے ہیں مثلاً حضرت جبرئیل و حضرت میکائیل کا ذکر تو بار بار آیا ہے اور ان دونوں ناموں کے تلفظ میں کئی لغتیں ہیں۔ جبرِیل (جیم اور رآء کے کسرہ کے ساتھ بغیر ہمزہ کے) جَبرِیل (فتحۂ جیم اور کسرۂ رار کے ساتھ بغیر ہمزہ کے) جبرائیل (الف کے بعد ہمزہ ملاکر) جبرایِیل (بجائے ہمزہ کے یا کے ساتھ) جبرئیل (بغیر الف کے ہمزہ کے ساتھ) جبریلؑ (لام مشدد کے ساتھ)۔ ابن جنّی نے کہا کہ جبرئیل کی اصل گوریال (کوریال) تھی، معرّب بنائے جانے کی وجہ سے پھر کثرتِ استعمال سے اس کی صورت بدل کر وہ ہوگئی جو ذکر کیا گیا۔

'میکائیل' کی تین قرأت ہے ۱۔ بغیر ہمزہ کے (میکائیل) ہمزہ کے ساتھ (میکائیل) اور الف کے ساتھ (میکال)۔ ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما کی روایت نقل کی ہے کہ جبرئیل عبداللہ اور میکائیل عبیداللہ کے ہم معنیٰ ہے — ہر ایک ایسا لفظ یا اسم جس کے اخیر میں 'ایل' ہو وہ عبد کا ہم معنی ہوتا ہے مثلاً دردائیل، عزرائیل وغیرہ

حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ آسمانی فرشتوں میں سے ہاروت و ماروت بھی دو فرشتے ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا 'اَلرَّعْد' بھی ایک فرشتہ کا نام ہے جو تسبیح اور حمدِ الٰہی میں مشغول رہتا ہے

اور ابر پر حکمرانی کرتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے "وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ"
اور ابن حاتم نے بحوالہ مسلم روایت کی کہ: "بَرق" ایک فرشتہ کا نام ہے جس کے چار مُنہ ہیں جس وقت وہ اپنی دم ہلاتا ہے تو آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی چمک ہوتی ہے جس کو بَرق کہتے ہیں۔
مالک بھی ایک فرشتہ کا نام ہے جو دوزخ کا داروغہ ہے۔ اور "سجل" بھی ایک فرشتہ ہے جو اعمال ناموں پر موکّل ہے، ہاروت و ماروت ان ہی کے اعوان و مددگار تھے۔ قعید بھی ایک فرشتہ ہے جو بدیوں کا لکھنے والا ہے۔ اس طرح یہ سب (جبرئیل، میکائیل، ہاروت و ماروت الرّعد، بَرق، مالک، سجل اور قعید) نو فرشتے ہوئے جن کا نام قرآن مجید میں آیا ہے۔ اِن کے علاوہ جن تین ناموں میں علمائے محققین کا اختلاف ہے وہ یہ ہیں۔ ۱۔ ابن ابی حاتم نے کئی روایتوں سے ثابت کیا ہے کہ ذوالقرنین بھی منجملہ فرشتوں کے ایک فرشتہ ہے۔ ۲۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ابنِ ابی حاتم نے یہ بھی روایت کی کہ الرّوح بھی ایک فرشتہ ہے جو تمام فرشتوں میں از روئے خلقتِ جسم سب سے بڑا ہے۔ ۳۔ راغب نے اپنی کتاب "مفردات" میں بیان کیا کہ سکینہ بھی ایک فرشتہ ہے جو مومنوں کے دلوں کو تسکین دیتا ہے اور امن عطا کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ" اور حدیثِ پاک کی روایت ہے "اِنَّ السَّكِیْنَةَ تَنْطِقُ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ"، گویا سب ملا کر بارہ فرشتوں کے نام ہو گئے جو قرآنِ پاک میں مذکور ہیں۔

فصل ثالث

انبیا و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے علاوہ جن دوسرے لوگوں کا نام قرآن پاک میں آیا ہے وہ یہ ہیں ۱۔ عِمران (الآیۃ ۳۵ آل عمران) اس نام کے دو بزرگ گزرے ہیں، ایک عِمران بن یصہر بن قاہث بن لاوی بن یعقوب، یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد ہیں۔ اور دوسرے عِمران بن ماثان، یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نانا ہیں یعنی حضرت مریم کے والد۔ اور آیۂ قرآنیہ میں اسی دوسرے عمران کا ذکر ہے۔

۲۔ عزیر، جن کو بعض یہودی مجدّد، نبی اور خدا کا بیٹا تک مانتے ہیں۔ اور غلو کی وجہ یہ ہے کہ بخت نصر کے حملہ کے بعد یروشلم اور پوری دنیا سے یہودیت زیر و زبر ہو گئی۔ اُن کی تہذیب، روایات، زبان اور دینی کتاب توریت شریف تک کو اہلِ بابل نے تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ پھر حضرت عزیر ہی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے اپنی یادداشت کی بنیاد پر توریت شریف کے پرانے نسخہ کو ترتیب دیا۔ کہتے ہیں کہ: توریت شریف کے، صرف آپ ہی حافظ ہوئے کسی اور پر یہ فضل خداوندی نہیں ہوا۔ آپ کا زمانہ سنہ ۴۵۰ ق م کے قریب بتایا جاتا ہے۔

۳۔ لقمان۔ آپ کی نبوت میں اختلاف ہے، اکثر علماء اس طرف گئے ہیں کہ آپ نہایت باکمال بزرگ، صاحب علم و حکمت تھے۔ اور اپنے دور کے قاضی و مفتی تھے مگر نبی نہیں تھے حضرت داؤد علیہ السلام

سے آپ نے علم وحکمت اور وعظ و معرفت کا وافر حصہ حاصل کیا تھا اور خود کامل و مکمل تھے علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام۔

۴۔ یعقوب۔ سورۂ مریم کے شروع میں آلِ یعقوب کا ذکر ہے یہ یعقوب حضرت یوسف علیہ السلام کے والد نہیں ہیں جو نبیٔ برحق تھے بلکہ یہ کوئی دوسرے بزرگ ہیں جو حضرت زکریا علیہ السلام کے مورثِ اعلیٰ ہیں۔

۵۔ طالوت۔ آپ کو بنی اسرائیل کے نبی حضرت شمویل علیہ السلام نے بنی اسرائیل کا بادشاہ بنایا تھا۔ آپ بہت بڑے عالم تورات اور جسیم تھے۔ آپ کی بیٹی حضرت داؤد علیہ السلام کے عقد نکاح میں آئیں۔ طالوت کے انتقال کر جانے کے بعد ان کی پوری بادشاہت حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں آگئی۔

۶۔ تقی۔ ایک ایسے آدمی کا نام ہے جو اپنے زمانہ کا مشہور عالم دین تھا اور تقویٰ و طہارت میں زبان زدِ خاص و عام تھا۔ آیۂ کریمہ اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِیًّا، کا مفہوم یہ ہے کہ اگر تو نیک چلنی میں تقی کی طرح ہے تو میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ چاہتی ہوں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ تقی حضرت مریم کا چچا زاد بھائی تھا۔ حضرت جبریل علیہ السلام اسی کی صورت میں تشریف لاتے تھے۔

نوٹ:۔ صحابۂ کرام میں صرف حضرت زید بن حارثہ کا نام قرآن مجید میں آیا ہے۔ اور باختلاف روایت بارگاہِ نبوت کے کاتبوں میں سے ایک کاتب "السجل" کا بھی نام مذکور ہے۔ (کما فی النسائی عن طریق ابی الجوزاء عن ابن عباس)

اور عورتوں میں صرف حضرت مریم علیٰ ابنہا وعلیہا السلام کا نام قرآن مجید

میں بار بار لیا گیا ہے۔ اور بعض حضرات کے نزدیک ایک اور عورت کا نام بنام (بَعل) قرآن مجید میں موجود ہے جس کی لوگ عبادت کرتے تھے۔ (اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا۔)

فصلِ رابع

بعض کافروں کے نام جو قرآن مجید میں آئے۔

۱۔ قارون۔ زر اندوزی اور بخیلی میں دنیا کے سب سے مشہور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچا یا چچا زاد بھائی یصہر کا بیٹا تھا۔ وہ زکوٰۃ کا انکار کر کے کافر ہو گیا۔ اور مالِ کا زمین میں دھنسا دیا گیا۔ ۲۔ جالوت۔ یہ بہت ہی شہ زور، قوی الجثہ، قد آور اور جابر و ظالم و بے رحم تھا۔ اس نے یہودیوں کو تتر بتر کر کے رکھ دیا تھا شاہی خاندان کے چالیس نونہالوں کو گرفتار کر کے اپنا غلام بنا لیا تھا اور دوسرے قیدیوں کو بحیثیت غلام کے اپنی رعیت میں تقسیم کر دیا تھا۔ یہودیوں میں اس سے مقابلہ کی طاقت نہیں تھی۔ پھر حضرت شمویل نے بنیامین کے خاندان سے ایک شخص طالوت کو بنی اسرائیل کا بادشاہ منتخب فرمایا جنہوں نے حضرت داؤد کو جالوت کے قتل پر آمادہ کیا۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے ہاتھ میں جس وقت فلاخن (پتھر پھینکنے کا آلہ) لیا تو جالوت باوجود نڈر ہونے کے ڈر گیا اور اس کے دل میں دہشت پیدا ہوئی، پورا جسم کانپنے لگا۔ لیکن وہ اخیر وقت تک ڈینگیں ہانکتا رہا حضرت داؤد علیہ السلام نے فلاخن میں پتھر رکھ کر پوری قوت کے ساتھ فلاخن کو چکر دیا۔ پھر نشانہ بنا کر جالوت کی پیشانی پر مارا۔ چنانچہ پتھر اس کی پیشانی کو توڑتا ہوا سر کے پیچھے سے نکل گیا۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت کی نعش کو لاکر طالوت کے سامنے رکھ دیا جس سے تمام بنی اسرائیل خوش ہوتے اور طالوت نے حسبِ وعدہ آدھی سلطنت حضرت داؤد کو دے دی اور اپنی بیٹی کا نکاح بھی آپ سے کر دیا۔

۳۔ ہامان۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں فرعون بے عون کا وزیر تھا جس نے فرعون کے لئے دنیا میں سب سے اونچا مینار تیار کرایا تھا۔ کہتے ہیں کہ پکی اینٹ کا موجد یہی ہے اور سب سے پہلے پکی اینٹ کا استعمال اس نے فرعونی برج میں کیا تھا۔

۴۔ بُشریٰ۔ ابن ابی حاتم نے کہا کہ جب مالک بن ذعر خزاعی مدینی نے اس کنویں میں ڈول ڈالا جس میں حضرت یوسف علیہ السلام تھے تو اس نے خوشی سے پکارا "یٰبُشْرٰی هٰذَا غُلَامٌ" اور بشریٰ مدینی قافلہ کے سردار کا نام تھا۔ واللہ اعلم!

۵۔ آزر۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے روایت ہے کہ 'آزر' کا معنیٰ 'صنم' (بت) ہے۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ آزر، حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے چچا کا نام تھا۔ بعض لوگوں نے کہا کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام کے والد بھی اسی نام سے مشہور تھے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ آپ کے والد ماجد کا نام تارح تھا جیسا کہ ابن ابی حاتم نے ضحاک کے طریق پر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے روایت کی۔ عربی زبان میں 'اَبٌ' کا اطلاق 'عَمٌّ' پر بھی ہوتا ہے یعنی چچا کو 'ابا' یا 'ابو' کہتے ہیں۔ حدیث پاک میں ابولہب کو 'اَبِی' فرمایا گیا "اِنَّ اَبِیْ وَ اَبَاكَ فِی النَّارِ" حالاں کہ ابولہب سرکار دو عالم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا چچا تھا۔ اسی عم کی مناسبت سے قرآن مجید میں کئی جگہ لِاَبِیْهِ آزَرَ فرمایا گیا

اس سے یہ شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے طاہر و مطہر وجود میں کسی بت پرست کا پانی شامل ہے۔ (اَلْعِیَاذُ بِاللہِ تعالیٰ)

۶۔ اَلنَّسِی۔ بنی کنانہ کے قبیلہ میں ایک شخص النسی نام کا گزرا ہے جو ماہ محرم کو ماہ صفر میں گڈمڈ کر دیتا تھا تاکہ ماہ حرام میں بھی لوٹ مار کرنے کو حلال بنایا جا سکے اور ماہ محرم میں ناجائز طریقہ سے حاصل کیے گئے مال کو حرام ہونے سے بچایا جا سکے۔

۷۔ ابلیس، اس کا پہلا نام عزازیل یا الحارث تھا لیکن خدائے پاک کی صریح نافرمانی اور حضرت آدم سے بغض و عناد کی وجہ سے وہ خدائے کریم کی ہر نعمت و رحمت سے مایوس کر دیا گیا ہے یا وہ نیکی و بدی کو بندگانِ خدا کے لیے خلط ملط کر دیتا ہے۔ اس لیے ابلیس سے مشہور ہو گیا۔ اس کی کنیت ابو بکر دوسی، ابو قرہ یا ابو مرّہ اور ابو لبینی ہے اور لقب شیطان، رجیم، صاغرین وغیرہا ہے۔

فصل خامس

قرآن مجید میں بعض قبائل کے نام یہ ہیں۔ یاجوج ماجوج عاد ثمود مدین، قریش اور روم، اور قوموں کے نام بھی ہیں جو دوسرے اسموں کی طرف مضاف ہیں مثلاً قوم نوح، قوم لوط، قوم تبع، قوم ابراہیم، اصحاب الایکہ (اصحاب مدین) اصحاب الرس (قوم ثمود) اصحاب الاخدود وغیرہا اور ان لوگوں کے بھی نام ہیں جو قوم نوح سے منتقل ہو کر عرب میں پہنچے تھے، اور اہل عرب ان کو پوجتے تھے۔ مثلاً ودّ، سُواع، یغوث، یعوق، نسر اسی طرح لات، عزیٰ، منات، الرجز، جبت، طاغوت، ارشاد، بعل وغیرہا۔ بخاری شریف حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ قوم نوح کے پانچوں بت کے نام (ودّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر)

وہ ہیں جو اپنی قوم میں نیک نامی کے ساتھ مشہور تھے مگر جب وہ مر گئے اور شیطان نے قوم نوح کے دلوں میں یہ خیال پیدا کیا کہ جہاں ان لوگوں کی نشستگاہیں تھیں وہاں پتھروں کے نشانات قائم کر دینے چاہیئے اور ان پتھروں کو انہیں کے نام سے موسوم کرنا چاہیئے۔ چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا پھر جب کئی پشتیں گزر گئیں تو ان کی پوجا ہونے لگی۔ بالآخر وہ اہل عرب کے نزدیک معبود ٹھہر گئے۔ حضرت ابن عباس کی ہی روایت بخاری شریف میں ہے کہ لات ایک شریف آدمی تھا جو حاجیوں کے لئے ستو کا انتظام کرتا تھا۔ چنانچہ لات کی ایک قرأت اللاّت بھی ہے تشدید تاء کے ساتھ یعنی ستو گھولنے والا۔

فصل سادس

قرآن پاک میں شہروں، مکانوں اور پہاڑوں کے نام بھی ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

بکّہ :۔ یہ شہر مکّہ کا نام ہے حرف باء، میم کے بدل میں آیا ہے جس کا معنیٰ ہے چوسنا اور کھینچنا" یعنی دنیا کے مختلف حصوں اور دور دراز مقامات سے اپنے چاہنے والوں کو کھینچ لیتا ہے۔ یا دنیا کے مختلف ممالک سے سامان خورد و نوش اپنی جانب کھینچ لیتا ہے۔ یا وہاں بہ نیتِ خلوص جانے والوں کے گناہوں کو چوس لیتا ہے۔ یا وہ ایسی وادی میں واقع ہے کہ بوقتِ بارش اپنے اردگرد تمام پہاڑوں کے پانی کو اپنی طرف کھینچ لیتا یا جذب کر لیتا ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بکّہ میں باء اصل ہے اور اس کا ماخذ بکٌ ہے، اس لئے۔ وہاں عجز و نیاز سے سر جھکاتے جاتے ہیں اور بڑے بڑے

سرکشوں کی گردنوں کو وہ توڑ دیتا ہے اور اَلتَّبَاکُ بھی اس کا ماخذ ہو سکتا ہے۔ جس کا لغوی معنیٰ ہے ہجوم کرنا۔ حج و عمرہ کے علاوہ بھی وہاں طواف میں صبح و شام رات و دن ہجوم رہتا ہے۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ مکّہ حرم کی سرزمین کو کہا جاتا ہے اور بکّہ خاص مسجد حرام کو۔ یا مکّہ سے مراد شہر مکّہ ہے جبکہ بکّہ سے مراد خانۂ کعبہ اور مطاف ہے۔ واللہ اعلم!

مدینہ :۔ یثرب بن وائل حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے ارم بن سام کی اولاد سے وہ شخص ہے جو سب سے پہلے اس سرزمین پر اترا تھا، لہٰذا اسی کی جانب نسبت کرتے ہوئے اولاً اس سرزمین کا نام یثرب ہو گیا زمانۂ جاہلیت میں اس کا یہی نام رہا۔ سورۂ احزاب آیۃ نمبر ۱۳ منافقین کی زبانی اسو یثرب نقل فرمایا گیا ہے۔

لیکن حدیث شریف میں یثرب کہنے کی ممانعت آئی ہے کیونکہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم بُرے ناموں کو پسند نہیں فرماتے تھے اور یثرب کا لفظ ثرب کے معنی پر مشتمل ہے جس کا ایک معنی فساد اور گڑبڑی بھی ہے چنانچہ اہلِ لغت نے "مُثرِب" کا معنی "گڑبڑی کرنے والا، فساد انگیز لکھا ہے۔ پھر لفظِ یثرب پر تثریب سے ماخوذ ہونے کا شبہ گزرتا ہے جس کا معنیٰ توبیخ و ملامت کے ہے۔ لہٰذا اس شہرِ مبارک کے لئے اسکا استعمال اہلِ ایمان کو جائز نہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مدینہ منورہ سے جنوب و مشرق کی جانب ایک حلقۂ زمین کا نام یثرب تھا جس کو سرورِ کائنات کے قدوم میمنت لزوم نے ارضِ شفاء بنا دیا۔ اب اس خاص جگہ کو بھی یثرب کہنا غیرتِ ایمانی کے خلاف ہے

مدینہ منورہ وہ شہر مبارک ہے جہاں خداوند قدوس کی بے شمار رحمتوں کا نزول آٹھوں پہر ہوتا رہتا ہے جہاں کی حاضری اور موت گنہگاروں سیہ کاروں

کو شفاعتِ کبریٰ کا مستحق بنا دیتی ہے جس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ آرام گاہ سرورِ کائنات علیہ التحیۃ والتسلیمات ہے جہاں ستّر ہزار فرشتے صبح اور ستّر ہزار فرشتے شام کو حاضر ہوکر درود و سلام کو نذرانے پیش کرتے اور اسی کو اپنی زندگی کا سرمایہ سمجھتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ زِدْھَا تَشْرِیْفًا وَّتَکْرِیْمًا وَّھَبْ لَنَا فِیْھَا قَرَارًا بِاِیْمَانٍ وَّدَفْنٍ بِالْبَقِیْعِ۔ اٰمِیْن

بَدْر :۔ یہ ایک شہر ہے جو مدینہ سے قریب مدینۂ طیبہ اور مکہ مکرمہ کی شاہراہ پر واقع ہے۔ ابن جریر کی روایت ہے کہ قبیلۂ جہینہ کے ایک شخص کا نام 'بدر' تھا۔ یہ مقام اسی کی جانب منسوب ہے۔ وہاں ایک کنواں بھی ہے جو 'بیرِ بدر' کے نام سے مشہور ہے۔ اسلام و کفر کے درمیان سب سے اہم ترین غزوہ یہیں پر برپا ہوا تھا جس میں معدودے چند نہتے مسلمانوں کو کافروں کے لشکر جرار پر عظیم فتح و نصرت ملی تھی۔ تین ہزار آسمانی فرشتے مسلمانوں کی تائید میں ایک ریتیلے پہاڑ پر اترے اور انکی مدد کی۔ آج بھی وہ ریت کا پہاڑ صدیوں گزر جانے کے باوجود معرکۂ بدر کا نشان بنا ہوا ہے۔

اُحُد :۔ یہ ایک پہاڑ ہے جو مدینہ منورہ سے تین میل کی دوری پر تھا۔ اب اُحد کے زیر سایہ ایک وسیع و عریض آبادی پھیل گئی ہے جو مدینہ پاک کی آبادی سے گویا مل گئی ہے۔ احد کی آغوش میں اسلام و کفر کی دوسری عظیم جنگ ہوئی تھی جس کا تفصیلی واقعہ اسلامی تواریخ میں موجود ہے۔ اُحد ہی کی آغوش میں سید الشہداء حضرت امیر حمزہ، حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مزاراتِ مقدسہ ہیں اور حلقۂ مزار سے متصل گنجِ شہیداں ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

حُنَین :۔ یہ مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان، طائف سے قریب

ایک قریہ تھا جو بڑی آبادی میں منتقل ہوگیا ہے

جَمع :۔ مُزدلفہ کو کہتے ہیں۔

مشعر الحرام :۔ مزدلفہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے جس سے قریب مشعر الحرام ہے۔

نَقع :۔ عرفات شریف اور مزدلفہ کے درمیان جو جگہ ہے جہاں کوئی کاشت وغیرہ نہیں ہوتی ہے اُسے نقع کہا جاتا ہے۔

مصر :۔ یہ برّاعظم افریقہ میں ہے جہاں عربوں کے تہذیب و تمدن نے اپنا گہرا نقش ثبت کیا ہے اور یہ قدیم زمانہ کی وہ مشہور آبادی ہے جہاں انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی سکونت رہی ہے۔ پھر فراعنہ کا دار السلطنت بھی رہا ہے، اور مسلمانوں کے ابتدائی دور سے اب تک وہ مسلمانوں کے زیرنگیں ہے۔ عربی کا سب سے بڑا جامعہ وہیں ہے۔

بابل :۔ یہ ملک عراق کا ایک قدیم ترین اور مشہور شہر ہے جو بخت نصر کا پایہ تخت رہا ہے۔ ابھی تک اس کے کھنڈرات موجود ہیں

الایکۃ :۔ قوم شعیب کی آبادیوں کا ایک علاقہ۔

لَیکۃ :۔ قوم شعیب کے شہر کا نام۔ (جس کا اب کوئی نشان نہیں ہے)

حِجر :۔ ملک شام کے ارد گرد اور وادی القریٰ کے نزدیک قوم ثمود کے پہاڑی مکانوں کا مجموعہ۔

طورِ سینا :۔ وہ مبارک پہاڑ ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو منجانب اللہ آواز دی گئی تھی۔

احقاف :۔ عمان اور حضر موت کے درمیان ایک ریگستانی پہاڑ ہے۔ ابن عباس سے روایت ہے کہ وہ ملک شام میں ایک پہاڑ ہے۔

الجودی :۔ یہ ملک شام میں دریائے دجلہ کے کنارے ایک شہر

بھی ہے جس کو حسن ابن عمر فاروق اعظم نے ۱۶ھ سنہ میں آباد کیا تھا۔ کوہ جودی اس شہر کے شمال مشرق میں تقریباً چالیس کیلومیٹر دور واقع ہے جہاں سے دریائے دجلہ نکلا ہے، کاتب الحروف وہاں حاضر ہوا ہے۔

طویٰ :۔ یہ اس وادی کا نام ہے جس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رات کے وقت طے فرمایا۔ یہ سرزمین ایلہ کی ایک وادی ہے جو فلسطین میں ہے جسے دو مرتبہ مقدس کی گئی۔

الکہف :۔ ایک بلند و بالا پہاڑ کے آغوش میں قدرتی طور پر تراشا ہوا گھر ہے، کاتب الحروف یہاں بھی حاضر ہوا ہے۔

الرقیم :۔ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ "رقیم اس آبادی کا نام ہے جہاں سے اصحاب کہف نکلے تھے" حضرت قتادہ نے فرمایا کہ رقیم اس آبادی کا نام ہے جس میں کہف واقع ہے۔

العَرِم :۔ ابن ابی حاتم نے روایت کیا کہ "یہ ایک وادی کا نام ہے"

حَرد :۔ السّدی نے بیان کیا کہ "حرد ایک قریہ کا نام ہے" (اس روایت کی تخریج بھی ابن ابی حاتم نے کی)

الصّریم :۔ حضرت سعید بن جبیر نے روایت کی کہ "ملک یمن میں ایک خطۂ زمین کا نام ہے"

قاف :۔ کہتے ہیں کہ "یہ ایک پہاڑ کا نام ہے (وھو محیط الارض)

الجُرُز :۔ یہ حرم ابراہیمی سے متصل ایک سرزمین ہے (جو موجودہ اسرائیل میں ہے)

الطّاغیہ :۔ کرمانی سے روایت ہے کہ "یہ اس سرزمین کا نام ہے جہاں قوم ثمود کو ہلاک کیا گیا۔

فصل سابع

قرآن پاک میں آخرت کے مکانوں میں سے حسب ذیل جگہوں کے نام آئے ہیں۔

اَلفِردَوس :۔ جنت کے مکانوں میں سے سب سے اعلیٰ مکان کا نام ہے۔

عِلِّیُّون :۔ یا تو جنت کے اندر ایک مکان کا نام ہے، یا جہاں صالحین کے اعمال تحریر ہیں۔

اَلکَوثَر :۔ حدیث متواتر سے ثابت ہے کہ یہ جنّت کی ایک عظیم نہر ہے۔

سَلسَبِیل وتَسنِیم :۔ جنّت کے دو چشمے ہیں۔

سِجِّین :۔ کفار و مشرکین کی روحوں کی آماجگاہ۔

صُعُود :۔ جہنم کے ایک پہاڑ کا نام ہے کما اخرجہ الترمذی مرفوعاً

غَیّ :۔ جہنم کے ایک وادی کا نام ہے کما اخرجہ الحاکم عن ابن مسعود

مَوبِق :۔ جہنم کی ایک ندی ہے جس میں پیپ بہتی ہے۔ (کما اخرجہ ابن ابی حاتم عن انس ابن مالک۔)

سَعِر :۔ جہنم میں کچ لہو (تازہ خون) کی ایک ندی ہے

وَیل :۔ جہنم کے اندر خون کی وہ گہری ندی ہے جس کی تہ تک پہنچنے کے لئے کفار و مشرکین چالیس سال تک اسمیں غوطے کھائیں گے۔

آثام و سحق :- یہ دونوں بھی جہنم کی ندیاں ہیں جن میں خون پیپ اور قے بہتی ہیں ۔

فلق :- جہنم کے ایک اندھے کنویں کا نام ہے جس کے عذاب کو خدا سے جبار ہی جانتا ہے کما اخرجہ ابن جریر

یحموم :- جہنم کا سیاہ ترین دھواں ۔ (کما اخرجہ الحاکم عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ۔

فصل ثامن

قرآن عظیم میں اضافت مکانی کے ساتھ بھی بعض نام آتے ہیں ۔

اُمّی :- اُم القریٰ (مکہ) کی طرف نسبت ہے ۔

عبقری :- عبقر کی جانب منسوب ہے جو جناتوں کی جگہ ہے ۔ اور ہر ایک نادر چیز اسی کی جانب منسوب کی جاتی ہے

سامری :- یہ بھی ایک جگہ کی طرف منسوب ہے جس کو سامرون یا سامرہ کہا جاتا ہے ۔

عربی :- یہ عربۃ کی طرف منسوب ہے اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے گھر کا صحن تھا جہاں سے آب زمزم تیزی کے ساتھ بہا تھا ۔ اور اب اس آنگن کی وجہ سے پورے ملک کو عرب کہتے ہیں جس کی جانب یہ منسوب ہے ۔

فصل تاسع

کنیت کے بیان میں،

قرآن مجید کے اندر (تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ) میں ابولہب کو کنیت کے ساتھ بیان کیا گیا اور اس کا نام (عبد العزی) نہیں لیا گیا کیونکہ اس نام کا استعمال شرعًا حرام ہے ۔ اور کنیت کے ساتھ اس کا ذکر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ جہنمی ہے کہ ابولہب کے معنی ہے بغیر دھوئیں کے شعلہ والا ۔ یعنی شعلۂ جہنم جس کا مقدر بن چکا ہے ۔
قرآن پاک میں سوائے بولہب کے کسی اور کی کنیت وارد نہیں ہے

فصل عاشر

القاب کے بیان میں

اسرائیل :- یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے جس کا لفظی معنی ہے عبد اللہ ۔ قرآن مجید میں یہودیوں کو "یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ" ہی کہہ کر مخاطب بنایا گیا ہے کہیں بھی "یابنی یعقوب" کے ساتھ خطاب نہیں ہوا ۔ وہ لوگ معبود حقیقی جل مجدہ کی عبادت کرنے کے ساتھ اس لئے مخاطب بنائے گئے کہ اُن کو پند و نصیحت کرنے اور

غفلت سے چونکانے کے لئے ایسے لقب سے خطاب کرنا ہی مناسب تھا جو اللہ کی طرف عبدیت کے ساتھ مضاف ہو۔ اور اسرائیل ایسا اسم ہے جس میں خدا کی عبادت کی یاددہانی معنوی حیثیت سے موجود ہے۔

المسیح :۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لقب ہے۔ اس کے کئی معنیٰ ہیں ۱ صدیق ۲ وہ شخص جس کے تلوے گہرے نہ ہوں ۳ وہ شخص کہ جس مریض پر ہاتھ پھیرے (مسح کرے) اس کو تندرستی مل جائے، ۴ جمیل وخوبصورت، ۵ زمین کو طے کرنے والا۔

ذوالکفل :۔ اس میں کئی اقوال ہیں، ۱ حضرت الیاس کا لقب ہے ۲ حضرت یوشع کا لقب ہے ۳ حضرت الیسع کا لقب ہے یا حضرت زکریا علیہم السلام کا لقب ہے یا حضرت بشر بن ایوب کا۔

نوح :۔ یہ بھی حضرت نوح علیہ السلام کا لقب ہے کہ وہ بکثرت گریہ فرماتے تھے۔ ان کا نام عبدالغفار تھا۔ کما رواہ ابن ابی حاتم۔

ذوالقرنین :۔ اس کا نام سکندر تھا یا عبداللہ بن ضحاک تھا، یا مصعب بن قرین تھا یا المنذر تھا۔ ذوالقرنین اس لئے لقب ہوگیا کہ زمین کی دونوں شاخوں (مشرق ومغرب) تک پہنچ گیا تھا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دو عظیم ترین مملکتوں (فارس وروم) کا بادشاہ تھا اس لئے یہ لقب ہوگیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کے سر پر دو سینگیں تھیں جن کو وہ اپنے تاج میں چھپائے رکھتا تھا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس کے زمانہ میں آدمیوں کے دو قرن (صدی) گزر گئے تھے اور وہ اتنی مدت تک زندہ

رہا اس لئے ذوالقرنین سے ملقب ہوا اور یہ بھی قول ہے کہ اسے علم ظاہر اور علم باطن دونوں عطا کئے گئے تھے یا نور وظلمت دونوں کی طرف اس کا میلانِ طبع تھا اس لئے ذوالقرنین کے لقب سے مشہور ہوگیا۔

فرعون :۔ اس کا نام ولید بن مصعب تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تھا۔ اس کے علاوہ شاہان مصر کا عام لقب تھا۔

تبع :۔ اس کا نام اسعد بن ملکی کرب تھا۔ اس کے متبعین کثرت سے تھے اس لئے تبع کے لقب سے مشہور ہوگیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ شاہان یمن کا عام لقب "تبع" ہوتا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

فصل احد عشر

اللہ تعالیٰ نے پرندوں کے جنس سے دس قسموں کا ذکر قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے۔

۱ **السلویٰ** :۔ بٹیر کی طرح ایک چھوٹا پرندہ جسے "گوریّا یا چڑی یا لوا" وغیرہ کہا جاتا ہے

۲ **البعوض** :۔ مچھر جس کا واحد بعوضۃ ہے۔

۳ **الذباب** :۔ مکھی۔ (کبھی الذباب کا اطلاق شہد کی مکھی اور مچھر بھی ہوتا ہے اور کبھی ڈنک مارنے والی بھڑ پر بھی۔)

۴ **النحل** :۔ شہد کی مکھیاں، جس کا واحد نحلۃ ہے۔

۵ **العنکبوت** :۔ مکڑی، جس کا جالا مشہور ہے۔ (عنکبوت کی جمع عناکب اور عنکبوتات آتی ہے۔)

الجَرَاد:۔ (ٹڈی) جسکا واحد جَرَادَۃٌ ہے۔ **الھُدھُد**:۔ (ہُدہُد) ایک مشہور پرندہ ہے، یا بہت کُوکُو کرنیوالا پرندہ۔ اسکی جمع ہَداہد اور ہداہید آتی ہے۔

الغُرَابُ:۔ (کوّا، ابقع، زراغ) اس کی جمع اَغرِبٌ، غُرُبٌ اور غِربان آتی ہے اور جمع الجمع غَرَابِین ہے۔ یہ عموماً کالے رنگ کا ہوتا ہے اس لئے غراب اسود بھی کہا جاتا ہے۔

اَبَابِیل:۔ (جھنڈ در جھنڈ) سیاہ رنگ کا ایک چھوٹا سا پرندہ بھی ہے جو اردو میں مؤنث مستعمل ہے۔ اور

نَمل:۔ (چیونٹی) کا شمار بھی پرندوں میں ہے کیونکہ اس کے کلام کو سن کر اور سمجھ کر حضرت سلیمان علیہ السلام ہنسنے لگے تھے۔ اور بہ نص قرآن پرندوں کی بولی حضرت سلیمان علیہ السلام کو سکھلائی گئی تھی ارشاد ہے" وَعُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ "۔ (ہمیں پرندوں کی بولی سکھلائی گئی ہے) حضرت ابن حاتم نے حضرت شعبی سے روایت کی کہ وہ نملۃ جس نے دوسری چیونٹیوں کو حضرت سلیمان اور ان کی فوجیوں کی آمد کی خبر دی تھی پردار تھی۔ اور بہت ساری چیونٹیاں پردار ہوتی ہیں۔ لہٰذا وہ پرندوں میں سے ہے۔

قرآن اور اسکی تفسیر

قرآن پاک میں بعض آیات بعض آیات کی تفسیر اور اسی تفسیر کو ساری تفسیروں پر اولیت حاصل ہے مثلاً" صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کی تلاوت کرنے کے بعد یہ معلوم کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ وہ حضرات گرامی کون ہیں جو بارگاہِ احدیت کے انعام یافتہ ہیں۔ اور جن کے طریق کی ہدایت خداوند کریم سے طلب کی جارہی ہے۔ تو دوسری آیت پاک نے اس اجمال کی تفصیل فرمادی یا اس وضاحت طلب مسئلہ کو ان الفاظ میں حل کردیا: فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ"

اور ایک تفسیر وہ ہے جو حضور اکرم رحمت عالم معلم کتاب و حکمت صلی اللہ علیہ وسلم نے از خود کسی آیت کریمہ کی وضاحت فرمائی یا کسی صحابی کے دریافت کرنے پر بیان فرمائی، اس تفسیر کو تفسیر مرفوع بھی کہہ سکتے ہیں مثلاً" قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ" اِنَّ، اَلْمَغْضُوْبَ عَلَیْھِمْ، ھُمُ الْیَھُوْدُ، وَاِنَّ. الضَّآلِّیْنَ، النَّصَارٰی" نبی کریم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ" اَلْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ سے یہود " اور اَلضَّآلِّیْنَ سے نصاریٰ مراد ہیں۔ اَخْرَجَہٗ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِی یا جیسے" سَاَلْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ

قَالَ الیَهُود، قُلْتُ الضَّآلِیْن......؟ قَالَ النَّصَارٰی ——
اَخرجہٗ ابن مردویہ عن ابی ذر

یعنی حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے سوال کیا کہ "اَلْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ" سے کون لوگ مراد ہیں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا "یہود......" پھر میں نے عرض کیا "ضَآلِّیْن" سے کون لوگ مراد ہیں؟ ارشادِ گرامی ہوا "نصاریٰ......"

قرآنِ عظیم کی یہ تفسیر بقیہ تفاسیر سے عمدہ اور اولیٰ ہے کیوں کہ جس ذاتِ گرامی کو اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم کا معلم بنا کر بھیجا ہو، اس جیسا کوئی دوسرا بھلا قرآن پاک کو کیا سمجھ سکتا ہے اور کیا سمجھا سکتا ہے۔ اس لئے جن آیات کریمہ کی تفسیریں احادیثِ صحیحہ مرفوعہ سے مل جائیں اس کے مقابلہ میں کسی دوسری تفسیر کو اہمیت نہیں دی جائے گی۔

تفسیر بالاحادیث النبویہ کے بعد صحابہ کرام کی تفسیریں ہیں جنہوں نے چشمۂ نبوت سے براہِ راست اکتسابِ فیض کیا۔ کیمیا اثر صحبتوں سے کندن بنے اور زبانِ کُن سے وحیِ الٰہی کی پرنور ترجمانی کو سماعت فرمایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جماعتِ مبارکہ میں دس بزرگ مفسرِ قرآن کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہیں خلفائے اربعہ، ابنِ مسعود، ابنِ عباس ابی ابن کعب زید بن ثابت، ابوموسیٰ اشعری اور عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ خلفائے اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں تفسیرِ قرآن سے متعلق سب سے زیادہ روایتیں حضرتِ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی ہیں۔ باقی تینوں خلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایتیں اسلئے کم ہیں کہ انہیں امورِ خلافت نے اس طرف توجہ مبذول کرنے کی مہلت کم دی پھر ان حضرات کی وفات

بھی پہلے ہوئی جبکہ صحابہ کرام جلوۂ قرآنی میں گم تھے اور اس کا نور براہِ راست مشکوٰۃِ نبوت سے حاصل کر چکے تھے۔

حضرت سیدنا ابوصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحابہ کرام میں مقبولیت و افضلیت سے کس اہل ایمان کو انکار ہو سکتا ہے۔ لیکن تفسیرِ قرآن کے تعلق سے ان کے ارشادات دس سے زائد نہیں ملتے ہیں۔ اور یہی حال حضرت سیدنا عمر فاروق اور سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بھی ہے۔ جبکہ یہ حضرات قرآن ہی میں محو رہا کرتے تھے۔ مگر احتیاط اور عدمِ ضرورت کی وجہ سے اس کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔

مگر حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قرآن عظیم کی تفسیر میں بکثرت مرویات ہیں۔ کیوں کہ اس وقت بعض ناعاقبت اندیش لوگوں نے قرآن فہمی میں اپنی رائے کو دخل دینا شروع کر دیا تھا۔ خارجی، ناصبی، سبائی سبھی پر تول رہے تھے۔ اور ان حضرات کی بھی اچھی خاصی جماعت حلقۂ اسلام میں داخل ہو چکی تھی جنہوں نے سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سر کی نگاہوں سے نہیں دیکھا تھا نہ ہی روح پرور، ایمان افروز صحبتوں سے شرفیاب ہونے کا موقع ملا تھا۔ لہٰذا ضرورت داعی تھی کہ قرآنی علوم و تفاسیر کو کھل کر بیان کیا جائے۔ چنانچہ ایک مرتبہ خطبہ دیتے ہوئے حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا "تم لوگ مجھ سے سوال کرو! وَاللہِ! تم لوگ جس بات کو بھی دریافت کرو گے میں اس کی تمہیں خبر دوں گا۔ کتاب اللہ کی کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس کے متعلق مجھے علم نہ ہو کہ وہ رات میں نازل ہوئی یا دن میں، ہموار میدان میں نازل ہوئی یا پہاڑ پر ــــ اور حضرت سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک قرآن سات حرفوں پر نازل کیا گیا ہے ان میں سے کوئی حرف ایسا نہیں

ہے جس کا ایک ظاہر اور ایک باطن نہ ہو۔ اور بلاشبہ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اُس کا ظاہر و باطن دونوں ہے اور حضرت ابوبکر بن عیاش کے طریق پر حضرت علی ہی سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا، واللہ کوئی آیت ایسی نازل نہیں ہوئی جس کی نسبت میں نے یہ معلوم نہ کرلیا ہو کہ وہ کس بارے میں نازل ہوئی ہے، اور بیشک میرے پروردگار نے مجھے دانا دل اور مسائل معلوم کرنے والی زبان عطا فرمائی ہے۔

إِنَّ رَبِّيْ وَهَبَ لِيْ قَلْبًا عَقُوْلًا سَئُوْلًا۔ (اَخْرَجَهُ اَبُوْنُعَيْم فِي حِلْيَة)

پھر تفسیر قرآن سے متعلق حضرت سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایتیں حضرت مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی روایتوں سے بھی زیادہ ہیں۔ لوگوں نے حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے دریافت کیا کہ "حضرت ابن مسعود کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟" تو آپ نے فرمایا "وہ قرآن و سنت کے علم میں منتہی ہے اور یہی علم اس کو کافی ہے۔

(اخرجہ ابونعیم عن ابی البختری)

اور علوم تفسیر میں حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما کی تو شان ہی نرالی ہے جن کے متعلق محبوب رب العٰلمین علیہ التحیۃ والتسلیم نے یہ دعا فرمائی "اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَعَلِّمْهُ التَّاْوِيْلَ" (کہ اے بار الٰہ! ابن عباس کو دین میں فقیہہ بنا اور اس کو تاویل کا علم عطا فرما) اور ان کے ہی لئے یہ بھی دعا ہے "اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْحِكْمَةَ" کہ اسے حکمت کا علم عطا فرما۔ انہی دعاؤں کی برکت ہے کہ وہ دور صحابہ سے آج تک "ترجمان القرآن" کے منصب پر فائز ہیں۔ روایت ہے کہ ایک بار حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس وقت بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے جبکہ حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی حاضر تھے تو حضرت

جبرئیل نے سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا "یارسول اللہ یہ شخص آپ کی امت کا حبر (زبردست عالم دین) ہونے والا ہے لہٰذا آپ انہیں نیک وصیتیں فرمایئے۔ (اخرجہ ابونعیم عن عبدالمومن بن خالد)

ابونعیم ہی کی روایت یہ بھی ہے کہ حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ارشاد فرمایا، "نِعْمَ تَرْجُمَانُ الْقُرْاٰنِ اَنْتَ (وفی روایۃ) نِعْمَ تَرْجُمَانُ الْقُرْاٰنِ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ عَبَّاسٍ" (کہ عبداللہ ابن عباس قرآن مجید کا بہترین ترجمان ہے) پھر کثرت علم اور فقاہت دینی کی وجہ سے آپ کا لقب حبر الامۃ یعنی اس امت کا زبردست عالم دین ہے" حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ اکثر آپ کے متعلق فرماتے تھے کہ "یہ اپنی نوجوانی ہی میں پختہ عمر کو پہنچ گئے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان کو واضح البیان اور دل کو عظیم دانشکدہ بنایا ہے۔

حضرت سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور سوال کیا "اِنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا" کے کیا معنٰی ہیں؟" تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے سائل سے فرمایا کہ "تم ابن عباس کی خدمت میں جاکر اس کا معنیٰ معلوم کرو اور جب وہ اس کا معنٰی بتادیں تو پھر میرے پاس آنا۔ چنانچہ سائل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اسی سوال کو دہرایا۔ تو آپ نے فرمایا "كَانَتِ السَّمٰوٰتُ رَتْقًا لَا تَمْطُرُ وَكَانَتِ الْاَرْضُ رَتْقًا لَا تَنْبُتُ فَفَتَقَ هٰذِهٖ بِالْمَطَرِ وَهٰذِهٖ بِالنَّبَاتِ" کہ آسمان بستہ تھے وہ مینہہ نہیں برساتے تھے اور زمین بستہ تھی وہ سبزیاں نہیں اگاتی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو بارش اور زمین کو روئیدگی کے ساتھ

کشادہ فرمایا ——— یہ جواب لے کر وہ سائل حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا جسے سنکر حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا کہ "حضرت ابن عباس کے ہوتے ہوئے تفسیر قرآن کی جرأت مجھ میں نہیں بیشک انہیں منجانب اللہ تفسیر قرآن کا علم حاصل ہے۔

خود حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ آپ کی تفسیر اور فقہ دین سے اس قدر متاثر تھے کہ اصحابِ بدر رضی اللہ تعالٰی عنہم کے ساتھ آپ کو بٹھاتے تھے۔ حضرت ابن عباس چونکہ بہت کم عمر تھے جوانی کی بہاریں بھی ابھی نہیں آئی تھیں اس لئے بعض اکابرین اور سن رسیدہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو تعجب ہوتا کہ بچہ کو بوڑھوں کی صف میں کیوں بیٹھا دیا جاتا ہے؟۔ ایک مرتبہ حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اکابر اور بدری صحابہ پر مشتمل ایک مجلس مشاورت طلب کی جسمیں خصوصیت سے حضرت ابن عباس کو بھی بلایا۔ امورِ خلافت پر صلاح و مشورہ ہوتا رہا۔ پھر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تمام حاضرین کو مخاطب فرما کر سوال کیا کہ "آیت کریمہ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ" کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟" شیوخِ صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم نے فرمایا "کہ ہمیں اس وقت اللہ کی حمد کرنے اور استغفار کرنے کا حکم دیا گیا ہے جب ہم کو فتح و نصرت عطا ہو" اور دیگر حاضرین ایک دوسرے کو دیکھتے رہے کوئی جواب نہیں ارشاد فرمایا تو حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم نے حضرت ابن عباس کی طرف دیکھا اور فرمایا "اے عبداللہ! کیا تم بھی یہی کہتے ہو؟" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "نہیں! میں ایسا نہیں کہتا" حضرت عمر نے فرمایا "پھر کیا کہتے ہو؟" حضرت ابن عباس نے کہا "اس آیۃ پاک میں حضور اکرم نبی رحمت روحی فداہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی رحلت کی خبر ہے جسے

قبل از وقت اللہ تعالٰی نے آپ کو دے دی تھی۔ کہ جس وقت اللہ تعالٰی کی نصرت عامہ نازل ہوگی اور فتح مبین آجائے گی وہی اے محبوب تمہارے سفرِ آخرت کی علامت ہوگی۔ اس وقت اے محبوب! اپنے خدا کی حمد اور تسبیح بیان کرنا اور اسی سے اپنی امت کے لئے استغفار چاہنا کہ وہی مغفرت فرمانے والا ہے" حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی تفسیر کو سن کر فرمایا "مجھے بھی یہی بات معلوم ہے جو تم کہتے ہو" پھر تمام اکابر صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے آپ کی جلالتِ علمی کو تسلیم فرمایا اس طرح آپ بچپن ہی سے قرآن پاک کی تفسیر بیان فرمانے میں مرجع عام و خاص ہو گئے تفسیرِ قرآن سے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کا ایک اور واقعہ نہایت حقیقت افروز ہے جس سے ان کے تبحر علم و عرفاں کا سکہ دلوں پر بیٹھ جاتا ہے۔

حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں اکابر مہاجر صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو مدعو کیا اور انکے درمیان لیلۃ القدر کا مسئلہ رکھا۔ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ "وہ سال بھر کی راتوں میں کوئی رات ہے جس میں خداوندِ کریم کی رحمت بے پایاں کا نزول ہوتا ہے" بعضوں نے فرمایا "وہ رات رمضان شریف کی راتوں میں سے ایک رات ہے جس میں سال بھر کے حکمت والے کاموں کو فرشتوں کے درمیان تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ اور غروبِ آفتاب سے صبح صادق تک خدا کی خاص رحمتوں کا نزول اس کے خاص بندوں پر ہوتا رہتا ہے" اور بعض صحابہ کرام نے فرمایا "وہ ماہِ رمضان شریف کے عشرۂ اخیر کی طاق راتوں میں سے ایک رات ہے۔ اور پھر مختلف

تاریخوں میں ان بزرگوں نے اپنے مشاہدات کو بھی بیان کیا۔۔۔

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو خاموش بیٹھے ہوئے دیکھ کر فرمایا "یا ابن اخی قل ولا تحقر نفسک" اے برادر زادے! آپ بھی کچھ کہئے اور کسر نفسی سے کام مت لیجئے" تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا "اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ طاق ہے اور طاق عدد کو محبوب رکھتا ہے، اس نے دنیاوی ایام کو سات دنوں کا دائرہ بنایا، انسان کی خلقت سات ادوار میں کی ہماری روزیوں کو سات تغیرات سے پیدا فرمایا، ہمارے سروں پر سات آسمانوں کا شامیانہ کھڑا کیا۔ ہمارے قدموں کے نیچے سات طبق زمین کو بچھایا، سات آیات مثانی عطا کی، سات قرابت مندوں سے نکاح کرنے کی ممانعت فرمائی، میراث کو سات وارثوں پر تقسیم فرمایا، سات عضو پر سجدے ہمارے خدا کو محبوب ہیں، طواف کعبہ کا دور بھی سات، صفا و مروہ کے درمیان سعی بھی سات، اور رمی جمار میں سات ہی کنکریاں ـــ ان تمام شواہد کے پیش نظر میرا خیال جاتا ہے کہ۔۔۔!

"لیلۃ القدر رمضان شریف کے عشرہ اخیرہ کی ساتویں رات ہے"

فَتَعَجَّبَ عُمَرُ فَقَالَ مَا وَافَقَنِيْ فِيْهَا اَحَدٌ اِلَّا هٰذَا الْغُلَامُ الَّذِيْ لَمْ تَسْتَوِ شُئُوْنُ رَاْسِهٖ. ثُمَّ قَالَ يَا هٰؤُلَاءِ مَنْ يُؤَدِّيْنِيْ فِيْ هٰذَا كَمَا اَدَّاهُ ابْنُ عَبَّاسٍ۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس بات کو سنکر متعجب ہوئے اور فرمایا "لیلۃ القدر کے تعلق سے سوائے اس کم سن لڑکے کے کہ جوانی کے بہاروں کو نہیں پہنچا، کسی اور نے میری موافقت نہیں کی۔ پھر اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے

مخاطب ہوکر فرمایا "لیلۃ القدر کے ان حقائق کو میرے سامنے اس طرح کون ادا کرے گا جیسا کہ ابن عباس نے ادا کیا ہے؟!

تفسیر قرآن سے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اتنی کثیر روایتیں ہیں جن کا شمار مشکل ہے۔ ایک ایک آیت کے متعلق کئی کئی روایتیں نقل کی گئی ہیں جن کو حضرت علی ابن طلحہ الہاشمی نے شرح و بسط سے نقل کیا ہے جس مجموعہ کو حضرت احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معتمد علیہ صحیفہ تفسیر قرار دیا ہے۔ حضرت امام اسماعیل بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی صحیح میں اسی نسخہ پر اعتماد فرمایا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے علاوہ تفسیر قرآن میں حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بہت بلند مقام ہے۔ آیات قرآنیہ کی تفاسیر پر مشتمل جو روایتیں آپ سے منسوب ہیں ان کو حضرت ابو جعفر رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ربیع بن انس کو واسطے نقل فرما کر ایک کتاب کی شکل دے دی جس کی سندیں علماء محققین کے نزدیک صحیح ہیں۔ حضرت ابن جریر، حضرت ابن ابی حاتم اور حاکم نے اپنے مستدرک میں اس سے روایتیں نقل کیں اور اسے معتمد علیہ مانا۔

مذکورہ بالا اصحاب (ابن مسعود، ابن عباس، ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے علاوہ بعض دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی تفسیر قرآن کے متعلق تھوڑی بہت روایتیں وارد ہوئی ہیں۔ مثلاً حضرت انس، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عمر، حضرت جابر اور حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے۔

پھر بعد کے بزرگوں نے انہیں مقدس ہستیوں سے تفسیری روایتوں کو نقل کیا۔ مثلاً مکہ مکرمہ میں حضرت مجاہد، حضرت عطا ابن ابی رباح اور حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے علم تفسیر اور روایتوں کو اخذ کیا۔ کوفہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے وہاں کے علماء نے علم تفسیر سیکھا اور روایتیں لیں۔ مدینہ طیبہ میں حضرت مالک بن انس اور حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رضی اللہ تعالٰی عنہم نے مفسر صحابۂ کرام سے باضابطہ علم تفسیر سیکھا اور ان کی روایتوں کو ضبط کیا۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ میں نے تیس مرتبہ پورے قرآن عظیم کو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے پڑھا، جس میں سے تین مرتبہ اس طرح پڑھا کہ ہر آیت پر ٹھہر کر اس کے متعلق دریافت کیا کرتا تھا کہ "یہ کب اور کس کے بارے میں نازل ہوئی؟"

پھر تابعین میں جن حضرات کی تفسیریں قابل اعتماد ہیں۔ ان میں حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا نام صف اول میں ہے۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا خُذُوا التَّفْسِيْرَ عَنْ أَرْبَعَةٍ یعنی چار شخصوں سے علم تفسیر حاصل کرو ۱؎ حضرت سعید ابن جبیر ۲؎ حضرت مجاہد ۳؎ حضرت عکرمہ، ۴؎ حضرت ضحاک رحمہم اللہ تعالٰی۔ اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ تابعین میں سے چار شخص بہت ہی زبردست عالم ہیں۔ ۱؎ حضرت عطاء مناسک کے سب سے بڑے عالم۔ ۲؎ حضرت سعید بن جبیر تفسیر کے زبردست عالم، ۳؎ حضرت عکرمہ علم سیر کے سب سے زیادہ جاننے والے ۴؎ حضرت حسن حلال و حرام کا عمدہ علم رکھنے والے۔

صحابۂ کرام اور تابعین عظام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے بعد دوسرے

بزرگوں نے بھی تفسیرِ قرآن کی طرف توجہ فرمائی اور اس فن میں کتابیں تالیف کیں۔ بعض بزرگوں نے تفسیریں بھی لکھیں لیکن وہ صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالٰی عنہم کے طرز پر تھیں حتیٰ کہ تقدیم و تاخیر کے ساتھ اسی کی نقلیں تھیں۔ اس لئے اُن تفسیروں کو بھی تفاسیر صحابہ و تابعین کا جامع قرار دیا گیا جیسے سُفیان بن عیینہ، وکیع بن الجراح، شعبہ بن الحجاج، یزید بن ہارون، عبدالرزاق، آدم بن ابی ایاس، اسحاق بن راہویہ، روح بن عبادہ، عبد بن حمید، ابوبکر بن ابی شیبہ، اور سعید رحمہم اللہ تعالٰی کی تفسیریں۔

پھر اس گروہ کے بعد ابن جریر طبری، ابن ابی حاتم، ابن ماجہ، حاکم، ابن مردویہ، ابوالشیخ ابن حبان اور ابن المنذر رحمہم اللہ تعالٰی علیہم کا دور آیا۔ ان میں سب بزرگوں نے تفسیریں لکھیں اور اپنے اسلاف سے سرِمو اِنحراف نہیں فرمایا۔ اس طرح ان حضرات کی کتبِ تفاسیر بھی گویا صحابۂ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم تابعین و تبع تابعین رحمہم اللہ تعالٰی ہی کی طرف مسند و منسوب ہو گئیں، ہاں اُن میں ابن جریر طبری نے چونکہ اپنی تفسیر میں توجیہہ، ترجیح، اعراب اور مسائل کے استنباط سے بھی بحث فرمایا ہے لہٰذا دوسری تفسیروں کے مقابلہ میں اس کی وجہ فوقیت ظاہر ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ نسبتاً زیادہ مقبول ہو گئی اور آج تک علماء کی توجہ ادھر مرکوز ہے۔

پھر ایک ایسا دور آیا کہ اہل علم حضرات نے قرآن عظیم کی سینکڑوں تفسیریں لکھیں جن میں اسناد کو مختصر کیا اور اقوال ہی کو پے در پے لکھنا شروع کیا۔ اور ان میں بہت سارے اقوالِ صحیحہ غیر اقوالِ صحیحہ سے مل جانے کی وجہ سے مشکوک ہو کر رہ گئیں بلکہ بعض مفسرین نے اپنی رائے کو اقوال کا جامہ پہنا کر تفسیروں میں داخل کر دیا۔ پھر بعد والے انہیں اقوال کو نقل کرتے



رہے کہ کوئی نہ کوئی اس کی اصل تو ہوگی۔ اس طرح تفسیر قرآن میں بے احتیاطی شروع ہوگئی، یہاں تک کہ مثلاً غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ کے بارے میں آٹھ آٹھ دس دس اقوال نقل کردیئے گئے۔ حالاں کہ اس کی تفسیر خود حضور اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے یہود و نصاریٰ وارد ہے جس کو تفسیر مرفوع کہنا چاہیئے یعنی جس کی صرف ایک ہی تفسیر تھی جس میں کوئی اختلاف نہیں ہونا چاہیئے۔ اس میں بعض حضرات نے دس دس اقوال نقل فرماکر دس دس تفسیریں کرڈالیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر رحم فرمایا اور ایسے علماء کو پیدا فرمایا جنہوں نے تفاسیری رطب و یابس کو چھانٹ کر پھر صحابۂ کرام اور تابعین و تبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روش پر تفسیریں لکھیں، جن سے آج تک امت مرحومہ استفادہ کررہی ہے مثلاً" تفسیر امام ابی جعفر بن جریر طبری۔ تفسیر مجمع البحرین؛ لعلامہ سیوطی۔ تفسیر کبیر۔ تفسیر ابن کثیر۔ تفسیر بیضاوی۔ تفسیر جلالین۔ تفسیر کمالین۔ تفسیر معالم التنزیل۔ تفسیر صاوی وغیرہا۔

اردو زبان میں بھی درجنوں تفسیریں ہیں جن میں معقولات اور قصص و حکایات بلکہ اسرائیلیات کو داخل کیا گیا ہے جس کی وجہ سے امت کو جو فائدہ پہنچنا چاہیئے نہیں پہنچ رہا ہے۔ تفسیر خزائن العرفان اگرچہ بہت ہی مختصر مگر ایسی جامع ہے کہ وہ تمام اردو و ضخیم تفسیروں پر حاوی ہے مگر اسمیں بھی بعض مقامات پر کاتبوں نے ایمان سوز موشگافیاں کی ہیں جن کی تصحیح کی ضرورت ہے۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ وَنُوْرِ عَرْشِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔